جلد ۴

اِصلاحی مجالِس

بسلسلہ تہذیبِ اخلاق و تربیتِ باطن

- خیالات آنے اور لانے کا فرق
- غصہ کے تقاضے پر عمل مت کرو
- بیوی سے محبت حبِ دنیا نہیں
- غفلت کا علاج - مسنون دعائیں
- دنیا بُری نہیں، اس کی محبت بُری ہے
- مالداری اور مفلسی اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے
- طالبِ دنیا راحت میں نہیں ہوتا۔
- کون سی جاہ مذموم ہے؟

حضرت مولانا مُفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

الحمدللہ ربّ العالمین، والعاقبۃ للمتقین
والصّلاۃ والسّلام علٰی رسولہ الکریم، وعلی
کل من تبعھم باحسان الی یوم الدین، أمابعد

اللہ کے فضل وکرم سے ''اصلاح مجالس جلد چہارم'' بھی تیار ہوکر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ الحمدللہ یہ جلد ''انفاس عیسیٰ'' کے باب دوم ''تحقیقات اور باب سوم تہذیبات'' سے متعلق مجالس کے بیانات پر مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ ناشر اور مرتب اور دیگر حضرات کو اس کام کو صدق و اخلاص سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور تمام رکاوٹوں کو دور فرمائے۔ آمین۔

عبداللہ میمن

۱۰/ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ

اجمالی فہرست مجالس

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۵۶	نماز میں لشکر کی ترتیب
۵۷	توفیق خداوندی پر نظر ہو
۵۸	عمل مطلوب ہے
۵۸	وساوس بجلی کے تار کی مانند ہیں
۵۹	وساوس کے آنے یا لانے کا شک
۶۰	خیالات کا لانا منع ہے
۶۰	یہ خیالات خود آئے ہیں
۶۱	اختیاری کام میں لگے رہو
۶۲	خشوع کا کونسا درجہ مطلوب ہے
۶۳	اپنی بساط کی حد تک کوشش کرلو
۶۳	ابراہیم بن ادہمؒ جیسا زہد حاصل کرنے کی فکر
۶۴	اس خشوع کی فکر میں مت پڑو
۶۵	زبان سے نکلنے والے الفاظ کی طرف دھیان دو
۶۵	دھیان کو دوبارہ لے آؤ
۶۶	خیالات لانے کا مطلب
۶۷	دینی خیال لانا جائز ہے
۶۸	نماز میں مسئلہ سوچنا

غصہ کے تقاضے پر عمل مت کرو

غصہ کو قابو میں کرنے کا طریقہ

حسد اور اس کا علاج (۱)

حسد اور اس کا علاج (۲)

عنوان	صفحہ نمبر

حُبِّ جاہ اور اس کا علاج: حُبِّ جاہ کی حقیقت

مجلس نمبر ۴۹

وساوس اور خیالات
اور ان کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱۔ لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ۴۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ؕ

مجلس نمبر ۴۹

وساوس اور خیالات اور ان کا علاج

الحمدللّٰہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین
والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الکریم
وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اَمَّا بَعۡدُ!

چونکہ یہ کتاب "انفاس عیسٰی" بڑی جامع کتاب ہے، اور بہت سے ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب بے شمار ملفوظات پر مشتمل ہے، اس لئے بالاستیعاب اس کو پڑھ کر اس کی تشریح کرنا تو مشکل ہے۔ لہٰذا میں صرف منتخب حصے پڑھ کر اس کی تشریح بیان کر دیتا ہوں تاکہ ضروری ضروری باتوں کا بیان ہو جائے۔ اس لئے آج میں اس کتاب کا نیا باب شروع کر رہا ہوں، جو "وساوس" سے متعلق ہے۔

وساوس کا علاج "عدم التفات"

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

وساوس کا علاج عدم التفات ہے اور بس، لیکن "عدم التفات" کو مقصود بالغیر سمجھ کر کام میں نہ لائے بلکہ اس کو مقصود بالذات سمجھے، خواہ اندفاعِ وساوس اس پر مرتب ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح "راحت" کو مقصود بالذات نہ سمجھا جائے، بلکہ اس پر آمادہ رہنا چاہئے کہ اگر تمام عمر اس سے بھی زیادہ کلفت ہو تو وہ بھی محبوب کا عطیہ ہے۔ "لأنه لیس بمعصیة ولا اختیاری وکل ما کان کذالك فهو نعمته" اور عبدیت یہی ہے۔

بدرد و صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطافست

اس شعر کو کبھی کبھی پڑھ لیا کرے۔

(انفاس عیسیٰ، ص ۹۰)

کوئی شخص وساوس سے خالی نہیں

حضرت والا نے اس ملفوظ میں وسوسہ کا اور ایک کثیر الورود شبہ کا علاج فرمایا ہے۔ لوگوں کو وسوسے اور خیالات فاسدہ بہت آتے رہتے ہیں، بعض اوقات ایسے خیالات اور وساوس آتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں انسان یہ سوچتا ہے کہ اس کی وجہ سے میں کہیں کافر تو نہیں ہو گیا، کوئی شخص شاید ایسا نہیں ہے

جس کو بڑے بڑے خیالات اور وسوسے نہ آتے ہوں، بلکہ وسوسے آتے ہیں، اور اس سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، خاص کر وہ شخص جس نے دین کے راستے پر چلنے کا ابھی قصد کیا ہے اور قدم بڑھایا ہے، ایسے شخص کو بہت زیادہ وسوسے آتے ہیں، اور اس کے دل میں بہت سے خطرات گزرتے ہیں۔

دین پر چلنے والے کو وسوسے زیادہ آتے ہیں

جس شخص کا دین کی طرف اور اصلاح کی طرف دھیان ہی نہیں ہے، اور دن رات دنیاوی مشاغل میں منہمک ہے، فسق و فجور میں مبتلا ہے، ایسے شخص کو وسوسے نہیں آتے، وسوسے اس شخص کو آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر اور دین کے راستے پر چل پڑتا ہے، اس کو طرح طرح کے وسوسے آتے ہیں۔ ایسے وسوسے آتے ہیں کہ ان کی وجہ سے آدمی کو شبہ ہونے لگتا ہے کہ میرا ایمان بھی باقی رہا یا نہیں؟ کبھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں وسوسے آئیں گے، کبھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وسوسے آئیں گے، کبھی قرآن کریم اور حدیث کے بارے میں وسوسے آئیں گے، اور کبھی شریعت کے احکام کے بارے میں وسوسے آئیں گے۔ اگر ایسے موقع پر انسان کی صحیح رہنمائی نہ ہو تو انسان گمراہی کے راستے پر پڑ جاتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

ان کی طرف توجہ نہ کی جائے

ان ''وساوس'' کا علاج حضرت والا یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان کا علاج

اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ وساوس آتے ہیں تو آنے دو، کوئی پرواہ ہی نہ کرو، اس طرف دھیان ہی نہ دو کہ دل میں کیا وسوسہ آ رہا ہے اور کیا جارہا ہے۔

"وساوس" ایمان کی علامت ہیں

یہ بات یاد رکھیں کہ یہ "وساوس" خود ایمان کی علامت ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ! بعض اوقات میرے دل میں ایسے وسوسے اور ایسے خیالات آتے ہیں کہ ان خیالات کو زبان پر لانے کے مقابلے میں جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے گوارہ ہے، اس لئے میں کیا کروں؟ سبحان اللہ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جواب دیا، فرمایا:

ذاك صريح الايمان

(صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الوسوسۃ فی الایمان)

یہ کھلی ایمان کی علامت ہے۔ یعنی ایسے وسوسوں کا اور ایسے خیالات کا آنا تو کھلے ایمان کی علامت ہے، مؤمن ہی کے دل میں ایسے وسوسے آسکتے ہیں، اور جو کافر ہو یا جو فسق وفجور میں مبتلا ہو، اس کو ایسے وسوسے نہیں آتے۔

چور اسی گھر میں آتا ہے جہاں دولت ہو

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کی

تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چور اسی گھر میں آتا ہے جہاں کچھ مال ہو، جہاں مال ہی نہ ہو وہاں چور کیوں جائے گا، جس گھر کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہاں مال ہے، اس گھر میں چور داخل ہو گا۔ لہٰذا دل میں یہ چور (شیطان) اس لئے آرہا ہے کہ اس کو معلوم ہے کہ اس دل میں کچھ ہے، اگر اس دل میں اللہ پر اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ ہوتا تو اس چور کو آنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ لہٰذا جب وسوسے اور خیالات آئیں تو پہلے اس بات پر شکر ادا کرو کہ الحمد للہ ایمان موجود ہے، ورنہ یہ خیالات آتے ہی نہیں۔

خیالات پر پریشانی ایمان کی موجودگی کی علامت

اور ایمان کے موجود ہونے کی دلیل اس طرح ہے کہ جب آپ کے دل میں یہ خیالات آتے ہیں تو آپ کو پریشانی ہوتی ہے اور ان خیالات کا آنا آپ کو برا معلوم ہوتا ہے، اگر دل میں ایمان نہ ہوتا تو پریشانی کیوں ہوتی، اگر ایمان نہ ہوتا تو دل میں ان خیالات کے آنے پر برا کیوں لگتا، ان خیالات سے تکلیف کیوں ہوتی، معلوم ہوا کہ دل میں ایمان ہے۔

وساوس کیوں آتے ہیں

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس پریشانی کے موقع کے لئے ایک تسلی کا جملہ ارشاد فرمادیا، وہ یہ کہ:

اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

وَلَیْسَ بِضَآرِّھِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

(سورۃ المجادلۃ، آیت ۱۰)

یعنی شیطان کی طرف سے جو وسوسے آتے ہیں، یہ درحقیقت شیطان کی طرف سے سرگوشی ہے، تاکہ مؤمنوں کو اس سرگوشی کے ذریعہ غم میں مبتلا کرے۔ آگے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ یہ سرگوشی کرنا مؤمنوں کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچاسکتا مگر اللہ کے حکم سے۔ لہٰذا جب یہ وسوسے آکر پریشان کریں تو اس وقت یہ تصور کرو کہ یہ تو ایمان کی علامت ہیں۔ یہ شیطان اپنی سی کوشش کر رہا ہے، اس سے کہدو کہ چل تو بھی اپنی سی کوشش کرلے، ہم بھی اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر تم ان خیالات کی طرف متوجہ ہوگئے اور ان کی طرف التفات شروع کردیا کہ اس وسوسے کو دور کروں اور اس خیال کو دور کروں، تو پھر تم اس دھندے میں رہ جاؤ گے، آگے تمہاری ترقی نہیں ہو پائے گی اور شیطان کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

وساوس وخیالات کی مثال

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثال کے ذریعے ان خیالات کے بارے میں سمجھا رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ ان خیالات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کو بادشاہ کے دربار سے بلاوا آیا کہ آج فلاں وقت تم دربار میں آنا، ہم تم کو ملاقات کا موقع بھی دیں گے اور تمہیں انعامات سے بھی نوازیں گے۔ اب یہ شخص تیار ہو کر بادشاہ کے دربار کی طرف چل دیا، راستے میں ایک کتا دائیں

طرف سے بھونک رہا ہے ایک کتا بائیں طرف سے بھونک رہا ہے، اور اس کو وقت پر بادشاہ کے دربار میں پہنچنا ہے، بتایئے عقل کی بات کیا ہے؟ کیا وہ کتوں سے لڑنے بیٹھ جائے، ان کو بھونکنے سے روکے اور ان کا پیچھا کرے اور ان کو بھگائے اور ان کو گھر تک چھوڑ کر آئے؟ اگر وہ ان دھندوں میں لگ گیا تو پھر تو دربار میں پہنچنے کا وقت ہی نکل جائے گا، وقت پر نہیں پہنچ سکے گا۔ اس لئے عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کتوں کو بھونکنے دو اور تم جہاں جا رہے ہو اور جس منزل پر پہنچنا چاہتے ہو، اس کی فکر کرو، ان کتوں کے بھونکنے کی فکر ہی مت کرو، اور اگر تم ان کتوں کے پیچھے پڑو گے تو دربار میں حاضری کا شرف کھو بیٹھو گے۔

اسی طرح تم یہ جو عبادات کر رہے ہو اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو رہے ہو، یہ عبادت اللہ تعالیٰ کے دربار میں باریابی ہے، اب باریابی کے وقت دل میں جو خیالات اور وسوسے آ رہے ہیں، دراصل یہ کتے بھونک رہے ہیں، اگر تم نے ان کی طرف التفات شروع کر دیا اور ان کو بھگانے کی فکر میں لگ گئے اور اپنا دھیان اس طرف لگا دیا تو پھر شیطان کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور تم دربار کی باریابی سے محروم ہو جاؤ گے۔

وساوس کے وقت اپنے کام میں مشغول رہو

اس لئے ان وساوس اور خیالات کا علاج ہی یہ ہے کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کرو۔ اور "التفات" نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس فکر میں مت

پڑو کہ کیا وسوسہ آرہا ہے اور کیا وسوسہ جارہا ہے، کیا خیال آرہا ہے اور کیا جارہا ہے، بلکہ اپنے کام میں لگے رہو، مثلاً خیالات آرہے ہیں اور تمہیں نماز پڑھنی ہے تو تم اپنی نماز میں لگ جاؤ۔ خیالات آرہے ہیں اور تمہیں اس وقت تلاوت کرنی ہے تو تلاوت میں لگ جاؤ۔ کسی دوسرے کام کا وقت ہے تو اس دوسرے کام میں لگ جاؤ اور ان خیالات کو اپنے اعمال پر اثرانداز نہ ہونے دو، یہ علاج ہے ان خیالات کا، اگر ان خیالات اور وساوس کی طرف تم لٹھ لے کر دوڑو گے تو یہ اس کا علاج نہیں۔

وساوس کا ایک اور علاج

میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کہیں اندھیرا ہو رہا ہو تو اس کا یہ علاج نہیں ہے کہ آدمی اس اندھیرے کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑے کہ یہ اندھیرا بھاگ جائے، اس طرح کبھی بھی اندھیرا نہیں جائے گا، اندھیرے کا علاج یہ ہے کہ ایک چراغ جلادو، جس جگہ پر اس چراغ کی روشنی پہنچے گی وہاں سے اندھیرا خود بخود بھاگ جائے گا اور اس اندھیرے کی ظلمت خود بخود دور ہو جائے گی۔ اسی طرح یہ شیطانی خیالات اور وساوس بھی اندھیرا ہیں، ان کے پیچھے لٹھ لے کر نہیں بھاگنا، بلکہ ان کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا چراغ جلاؤ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور طاعت کا چراغ جلاؤ اور ان کی طرف التفات نہ کرو، بس یہ وساوس اور خیالات خود دور ہو جائیں گے۔

دوسرے خیال کی طرف متوجہ ہو جاؤ

اگر یہ خیالات بہت زیادہ آرہے ہیں تو اس کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو بھگانے کی فکر کرنا تو پھر بھی ٹھیک نہیں، اس لئے کہ ان کو جتنا بھگاؤ گے یہ اتنا ہی اور آئیں گے۔ ان کا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو کسی اور کام میں لگالو یا کسی اور خیال کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کرلو۔ اس لئے کہ فلسفہ کا قاعدہ ہے کہ:

اَلنَّفْسُ لَاتَتَوَجَّهُ اِلٰی شَیْئَیْنِ فِیْ آنٍ وَاحِدٍ

یعنی انسان کا نفس ایک وقت میں دو چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتا۔

لہٰذا اگر دل میں وسوسے آرہے ہیں اور اس وقت تم نے اس کو دوسرے خیال میں مشغول کر دیا یا دوسرے کام میں مشغول کر دیا تو پہلا خیال اور وسوسہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

وساوس دور کرنے کیلئے کوئی وظیفہ نہیں

چنانچہ اس ملفوظ میں حضرت والا نے پہلا جملہ یہی ارشاد فرمایا کہ "وساوس کا علاج عدم التفات ہے اور بس" یعنی اور کوئی علاج نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ وساوس بہت آرہے ہیں، کوئی وظیفہ بتادو جس کے نتیجے میں وسوسے نہ آئیں۔ حضرت فرمارہے ہیں کہ اس کے لئے کوئی وظیفہ نہیں، کوئی علاج نہیں،

بس یہی علاج ہے کہ ان کی طرف التفات نہ کرو۔

صحت مقصود ہوتی ہے نہ کہ دوا

پھر آگے ایک دقیق بات ارشاد فرمائی کہ "لیکن عدم التفات کو مقصود بالغیر سمجھ کر کام میں نہ لاوے بلکہ اس کو مقصود بالذات سمجھے، خواہ اندفاع وساوس اس پر مرتب ہو یا نہ ہو"۔ یعنی یہ جو میں نے کہا کہ ان وساوس کا علاج "عدم التفات" ہے، اس عدم التفات کو یہ نہ سمجھو کہ یہ "مقصود بالغیر" ہے، لہٰذا علاج کرنے کے بعد اس کی فکر لگ گئی کہ اس کے ذریعہ شفا ہوئی یا نہیں؟ دیکھئے جب آدمی کسی بیماری کے لئے دوا کھاتا ہے تو کیا وہ دوا خود مقصود بالذات ہوتی ہے؟ نہیں، بلکہ اس دوا سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ صحت حاصل ہو جائے۔ چونکہ "صحت" دوا کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، اس لحاظ سے دوا بھی مقصود ہے، لیکن مقصود بالغیر ہے، چونکہ دوا مقصود بالغیر ہے، اس لئے آدمی دوا کھانے کے بعد اس انتظار میں رہتا ہے کہ کب مجھے صحت ہو جائے، لہٰذا اگر کسی بیماری کے لئے ایک دن دوا کھائی، دو دن دوا کھائی، تین دن دوا کھائی، لیکن اس دوا سے فائدہ حاصل نہ ہوا تو وہ اس دوا کو کھانا چھوڑ دے گا، کسی دوسرے ڈاکٹر سے رجوع کرے گا، اس لئے کہ دوا کھانا خود مقصود نہیں تھا، شفا مقصود تھی، جب دوا سے شفا حاصل نہیں ہو رہی ہے تو دوا کھانی چھوڑ دی۔

"عدم التفات کا علاج" خود مقصود بالذات ہے

حضرت والا فرمارہے ہیں کہ وساوس کا جو علاج بتایا ہے کہ ان وساوس کی طرف التفات نہ کرو، شفا سے بے نیاز ہو کر یہ دوا اور یہ علاج استعمال کرتے رہو، کیونکہ یہ علاج "مقصود بالغیر" نہیں، بلکہ "مقصود بالذات" ہے۔ اس لئے کہ اگر آپ نے میرے اس علاج پر ایک دن عمل کیا، دو دن تک عمل کیا، تین دن تک عمل کیا اور پھر بھی وساوس آتے رہے تو تم یہ کہو گے کہ یہ علاج غلط تھا، حالانکہ یہ علاج غلط نہیں ہے، بلکہ یہ علاج ابدی اور دائمی ہے۔ اگر بالفرض علاج کرنے کے باوجود وساوس آرہے ہیں تو یہ نہ سمجھو کہ علاج بیکار ہے، اس لئے کہ یہ علاج بذات خود مقصود ہے، لہٰذا اس علاج کو مت چھوڑنا بلکہ اس پر عمل کرتے رہنا، چاہے ساری عمر وسوسے آتے رہیں، لیکن اس کی طرف سے اپنا دھیان ہٹاتے رہو، پھر وسوسے آئیں، پھر دھیان ہٹاتے رہو، ساری عمر یہ عمل کرتے رہو، بس اس کا یہی علاج ہے۔

"راحت" خود مقصود بالذات نہیں

اسی طرح آگے ایک اور دقیق بات یہ ارشاد فرمائی کہ "راحت" کو مقصود بالذات نہ سمجھا جائے" یعنی تمہیں ان وساوس اور خیالات کو دفع کرنے کی فکر ہو رہی ہے، اس سے تمہارا کیا مقصود ہے؟ اگر تمہارا مقصود یہ ہے کہ چونکہ ان وسوسوں کے آنے سے ہر وقت دماغ پر پریشانی رہتی ہے، اور جب یہ وسوسے

آنا بند ہو جائیں گے تو "راحت" حاصل ہو جائے گی۔ اس کے بارے میں حضرت فرمارہے ہیں کہ اس "راحت" کو مقصود نہ بنانا، بلکہ بذات خود مقصود یہ ہے کہ ان وساوس اور خیالات سے توجہ کو ہٹایا جائے اور کسی دوسرے مفید کام میں انسان اپنے آپ کو لگائے، کیونکہ اگر تم نے "راحت" کو مقصود بنالیا تو پھر تو تم نے نفسانی حظ کو مقصود بنالیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر پر راضی رہو

اور اگر ان وساوس کی طرف عدم التفات کے باوجود وساوس آتے ہیں اور ان وساوس کے آنے سے تکلیف ہوتی ہے اور صدمہ ہوتا ہے اور رنج ہوتا ہے، تو پھر اس تکلیف اور صدمہ پر بھی راضی رہو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا اور تقدیر یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے، اگر وہ یہی چاہتے ہیں کہ میں ساری عمر وسوسوں کے اندر مبتلا رہوں اور ہمیشہ وسوسے آتے رہیں تو پھر میں کیا کروں! جب ان کی رضا وسوسوں کے آنے میں ہے تو پھر میری بھی رضا اسی میں ہے۔

نہ تو ہے ہجر ہی اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

وہ جس حال میں رکھ رہے ہیں وہی میرے لئے بہتر ہے۔ لہٰذا وسوسہ آنے کی تکلیف اور صدمہ پر بھی راضی رہو۔

بدرد وصاف ترا حکم نیست دم درکش
کہ آنچہ ساقی ماریخت عین الطافست

یعنی تجھے یہ حکم نہیں ہے کہ جو شربت تجھے پینے کو مل رہا ہے، اس میں یہ دیکھے کہ وہ گدلا ہے یا صاف ہے؟ بلکہ ہمارے ساقی نے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ عین اس کا کرم ہے۔ تمہیں اس کی حکمت معلوم ہو یا نہ ہو، مصلحت معلوم ہو یا نہ ہو، جو کچھ اس نے تمہارے لئے تجویز کیا ہے وہ ان کا کرم ہی کرم ہے۔

تیرے لئے یہی مناسب تھا

بہت سے لوگوں کو یہ اشکال ہوتا ہے کہ فلاں شخص کو تو بالکل وسوسے نہیں آتے، وہ تو بہت اطمینان سے رہتا ہے اور اس کا تعلق فلاں شیخ سے ہے، یہ ان سے بیعت ہے، اور دوسری طرف میں ہوں کہ مجھے تو بہت وسوسے آتے ہیں، کیا میں ہی وسوسے کے لئے رہ گیا ہوں؟ مجھے ہی یہ وسوسے اور خیالات آتے ہیں؟ یاد رکھئے! یہ بے صبری ہے، ارے تیرے لئے یہی مناسب تھا جو تیرے ساتھ ہو رہا ہے، اور اس کے لئے وہی مناسب تھا جو اس کے ساتھ ہو رہا ہے، یہ بھی ان کا کرم ہے اور وہ بھی ان کا کرم ہے۔ اس شخص کے لحاظ سے وہ کرم ہے اور تمہارے لحاظ سے یہ کرم ہے، اگر تو ان وساوس پر صبر کرلے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے نہ معلوم کیا درجات تیرے لئے رکھے ہوئے ہیں۔

میرے پیانے میں حاصل میخانہ

لہٰذا دوسروں کی طرف مت دیکھو کہ ان کو کیا مل رہا ہے، تمہیں جو کچھ مل رہا ہے وہ تمہارے لئے ٹھیک ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مفہوم کا ایک شعر پڑھا کرتے تھے، فرمایا ؂

مجھ کو اس سے کیا غرض کس جام میں ہے کتنی مۓ

میرے پیانے میں لیکن حاصلِ میخانہ ہے

یعنی مجھے اس سے کیا غرض کہ کس کو کیا ملا ہوا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے میرے پیانہ میں مجھے عطا فرمایا ہے، میرے لئے تو وہ سارے میخانے کا حاصل ہے۔

صبر کرنے کا ثواب علیحدہ ملے گا

بہر حال! جو کرنے کے کام ہیں وہ کئے جاؤ اور جو غیر اختیاری خیالات اور وساوس آتے ہیں، ان کی طرف التفات نہ کرو، ان وساوس کے آنے سے جو تکلیف اور صدمہ ہو رہا ہے، اس کے بارے میں یہ سوچو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ ان کا فیصلہ ہے، ان کی قضا ہے، ان کی تقدیر ہے، میں اس پر راضی ہوں۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ وسوسے تمہیں نقصان نہیں پہنچائیں گے، دوسرے یہ کہ ان وسوسوں کے آنے سے جو تکلیف ہو رہی ہے، اس پر اجر ملے گا اور ثواب ملے گا اور تمہارے درجات بلند ہوں گے، لہٰذا ان وسوسوں سے فائدہ ہی فائدہ ہے، نقصان کوئی نہیں۔ اور جب تم اس پر راضی ہو جاؤ گے

اور یہ کہو گے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے لئے مقرر فرمایا ہے، میں اس پر راضی ہوں تو پھر "رضا بالقضا" کا اجر بھی تمہارے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا، اس کے علاوہ صبر کا اجر بھی تمہارے لئے لکھا جائے گا۔

دنیا میں تکلیف ضرور پہنچنی ہے

یاد رکھو! اس دنیا میں مکمل راحت کسی کو حاصل ہو ہی نہیں سکتی، چاہے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگالے، چاہے وہ بڑے سے بڑا بادشاہ ہو، بڑے سے بڑا امیر کبیر انسان ہو، اس لئے کہ یہ دنیا راحت کاملہ کی دنیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں تین عالم پیدا فرمائے ہیں، ایک عالم وہ ہے جس میں راحت ہی راحت ہے، جس میں تکلیف کا اور غم کا اور صدمہ کا نام و نشان نہیں ہوگا، وہ عالم جنّت ہے۔ دوسرا عالم وہ ہے جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے، غم ہی غم اور صدمہ ہی صدمہ ہے، جس میں راحت اور سکون کا نام و نشان نہیں ہے، وہ عالم جہنم ہے۔ اور یہ عالم دنیا جس میں ہم اور آپ گزر رہے ہیں، اس میں راحت بھی ہے اور تکلیف بھی ہے، اس میں غم بھی ہے اور خوشی بھی ہے، یہاں کی کوئی راحت خالص نہیں ہے، بلکہ ہر راحت کے ساتھ تکلیف کا کانٹا لگا ہوا ہے، یہاں کی کوئی خوشی خالص نہیں ہے، بلکہ ہر خوشی کے ساتھ غم کا کانٹا لگا ہوا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں یہاں اس دنیا میں صرف راحت ہی راحت حاصل کر دوں، مجھے کوئی صدمہ نہ پہنچے، کوئی تکلیف نہ پہنچے، تو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، بڑے سے بڑا سرمایہ دار ہو، بڑے سے بڑا حاکم ہو، بڑے سے بڑا دولت مند ہو، بڑے سے

بڑا دانشور ہو، بڑے سے بڑا عالم ہو، بڑے سے بڑا ہنر مند ہو، اس کو لے آؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا تمہیں کبھی بھی تکلیف نہیں پہنچی؟ وہ شخص کبھی یہ نہیں کہے گا کہ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی، کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور پہنچی ہے۔

لہٰذا جب اس دنیا میں تکلیف پہنچنی ہی ہے تو اب چاہو تو اس تکلیف پر صبر کرلو، چاہو تو بے صبری کرلو، چاہو تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ اور یہ کہہ دو کہ جو تکلیف ان کی طرف سے پہنچ رہی ہے، میں اس پر راضی ہوں، تو اس کے نتیجے میں تم اس بشارت کے مستحق ہو جاؤ گے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ:

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔

(سورۃ الزمر، آیت ۱۰)

بیشک صبر کرنے والوں کو بے شمار اجر ملے گا۔

لہٰذا اس دنیا میں جتنا سکون "رضا بالقضا" یعنی اللہ کے فیصلے پر راضی ہونے کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے، اتنا سکون کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

حضرت بہلول مجذوبؒ کا واقعہ

حضرت بہلول مجذوب رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ بہت اچھا حال ہے، بہت مزہ آرہا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا مزہ آرہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ارے میاں! اس شخص کے مزہ

کا کیا حال پوچھتے ہو کہ دنیا میں کوئی کام اس کی مرضی کے خلاف ہوتا ہی نہیں، میرا تو حال یہ ہے کہ دنیا میں جو کام ہو رہا ہے وہ میری مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آج تک دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں گزرا کہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ ہوتا ہو، حتی کہ انبیاء علیہم السلام کی مرضی کے خلاف بھی کام ہوتے تھے، آپ کو ایسا مقام کہاں سے مل گیا کہ آپ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا؟! انہوں نے فرمایا کہ بات اصل میں یہ ہے کہ میں نے اپنی مرضی مٹا کر مولیٰ کی مرضی کے تابع بنادیا ہے، جو ان کی مرضی وہ میری مرضی، جو وہ چاہتے ہیں میں بھی وہی چاہتا ہوں، اور جب کائنات میں کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا تو میری مرضی کے خلاف بھی نہیں ہوتا، سکون کی یہ حالت اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائی ہے۔

"رضا بالقضا" میں سکون ہے

بہر حال! "رضا بالقضا" سے بڑھ کر کوئی اور سکون کا راستہ نہیں، اب یا تو اس ذریعہ سے سکون حاصل کرلو یا عمر بھر راحت کے لئے تڑپتے رہو، وہ میسّر نہیں آئے گی۔ خلاصہ یہ کہ اس ملفوظ میں حضرت والا نے فرمایا کہ اگر بالفرض وساوس کی طرف عدم التفات کے باوجود وسوسے ختم نہ ہوں، بلکہ پھر بھی مسلسل آتے رہیں تو اس سے مت گھبراؤ اور پریشان مت ہو، بلکہ ان وسوسوں کے آنے پر راضی ہو جاؤ اور یہ سوچو کہ جب میرے اللہ نے میرے لئے یہ مقدر کر دیا ہے تو میں اس پر خوش ہوں، البتہ ان وساوس کے تقاضوں پر عمل

مت کرو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو صحیح فہم عطا فرمائے، اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۵

خیالات آنے اور لانے کا فرق

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر : ۵۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۵

خیالات آنے اور لانے کا فرق

الحمد للّٰہ رب العالمین والعاقبة للمتقین
والصّلاۃ والسّلام علی رسوله الکریم وعلی
آله واصحابه اجمعین۔ اَمَّا بَعْدُ!

"ذہین" شخص کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی

حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

عاقلوں کو خاص کر صاحب ذکاوت مفرط کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، کیونکہ اس کا دماغ ہر وقت حرکت فکریہ میں رہتا ہے، اسی لئے اس کو "کیفیات" حاصل نہیں ہوتیں۔
(انفاس عیسیٰ، ص۹۰)

عام طور پر جو لوگ زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور جن میں ذکاوت زیادہ ہوتی

ہے، ان کو نہ "کشف" ہوتا ہے، نہ "الہام" ہوتا ہے اور نہ ہی دوسری کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ "کشف"، "الہام" اور "کیفیت" یکسوئی چاہتی ہیں، یعنی جب آدمی اپنا دل دماغ ایک طرف لگائے اور اس وقت آدمی کے دماغ میں اِدھر اُدھر کی کوئی بات نہ آئے، تب جاکر یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور جو آدمی ذکی اور ذہین ہے، اس کا دماغ تو ہر وقت حرکت میں رہتا ہے، اگر وہ عالم ہے تو اس کے دماغ میں کوئی علمی مسئلہ حرکت کر رہا ہوگا، اگر کوئی پڑھا لکھا آدمی ہے تو اس کے اپنے فن سے متعلق کوئی بات اس کے ذہن میں گردش کر رہی ہوگی، اور اگر کسی علمی بات میں دماغ مشغول نہیں ہوگا تو پھر اپنے دنیاوی معاملات میں اس کا دماغ مشغول ہوگا، جس کی وجہ سے اس کو یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، اور جب یکسوئی حاصل نہیں ہوتی تو پھر اس کے دل میں یہ کیفیات بھی پیدا نہیں ہوتیں۔

یکسوئی حاصل کرنے کا پہلا مرحلہ

یہ کیفیات، یہ تصرفات، یہ کشف، یہ چیزیں وہبی ہیں، اور کسی حد تک کسبی بھی ہیں، خاص طور پر "تصرفات خیالیہ" تو کسبی ہیں، اگر انسان مشق کرے تو مشق کرنے کے نتیجے میں انسان کے خیال میں قوت تصرف پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کی مشق کا طریقہ یہ ہے کہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کو دیکھو اور پھر ان میں سے ایک ستارے کا انتخاب کرلو، اور پھر اس ستارے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر بے تکان دیکھتے رہو اور اس طرح دیکھو کہ نگاہ اس کی طرف جمی

رہے۔ رفتہ رفتہ یہ ہوگا کہ آس پاس کے ستارے جو پہلے نظر آرہے تھے وہ رفتہ رفتہ نظر آنا بند ہو جائیں گے اور صرف ایک ہی ستارہ نظر آسمان پر آئے گا، تجربہ کر کے دیکھ لو۔ یکسوئی حاصل کرنے کا یہ پہلا سبق ہے اور اس طریقے کے ذریعے پہلے مرحلے میں نگاہ کو ایک چیز پر مرتکز ہونے کا عادی بنایا جاتا ہے۔

دوسرا مرحلہ

جب نگاہ ایک چیز پر مرتکز ہونے کی عادی ہو جاتی ہے تو پھر دوسرے مرحلے میں "خیال" کو اس بات کا عادی بنایا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک چیز پر مرتکز ہو جائے، اور اس وقت کسی دوسری چیز کا خیال ذہن میں بالکل نہ آئے، جب انسان "خیال" کو مرتکز کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس انسان کے خیال میں ایک قوت پیدا ہو جاتی ہے، اس قوت کا نام "تصرف" ہے، اور پھر تصرف بعض اوقات انسان کو کشف کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کا اشکال اور حضرت تھانویؒ کا جواب

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھانہ بھون جاتے تو حضرت والا وہاں پر کسی لکھنے کے کام میں لگا دیتے، کبھی کسی مضمون لکھنے میں، کبھی کوئی فتویٰ لکھنے میں لگا دیتے، اس کے نتیجے میں بعض اوقات یہ ہوتا کہ خانقاہ میں دوسرے حضرات جس مقدار میں ذکر و اذکار کیا کرتے تھے، اس مقدار میں ذکر کرنے کی نوبت نہیں

آتی تھی، تو اس وقت ہمیں یہ حسرت ہوتی تھی کہ خانقاہ کے دوسرے حضرات تو ذکر و اذکار میں لگے ہوئے ہیں اور ہم مضمون نویسی اور فتویٰ نویسی میں لگے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبِ ذکر و شغل بزرگ تھے، وہ ہر وقت ذکر و شغل میں رہتے تھے، تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! یہ مولانا وصی اللہ صاحب تو میرے ہم سبق ہیں، لیکن ان کے حالات بہت اعلیٰ ہیں اور میں ایسے ہی بیکار ہوں، مجھے کچھ کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی اور یہ شعر پڑھا ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق

او بصحرا رفت وما درکوچہا رسوا شدیم

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ: میاں! تم کس فکر میں پڑ گئے، یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے، کسی کو تو "صحرا" دیا جاتا ہے اور کسی کو "شہرا" دیا جاتا ہے۔

ایک ہی رات میں اس کوچے کی سیر کرادی

حضرت والد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضرت! الحمد للہ آپ کی مجالس میں بیٹھ کر اس کشف و کرامت، الہام، کیفیات کی حقیقت تو خوب سمجھ میں آگئی، اور ان کی اہمیت دل سے نکل گئی کہ یہ چیزیں مطلوب اور مقصود نہیں ہیں، لیکن کبھی کبھی

دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس کوچے کی بھی کچھ سیر کی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ ان میں کیا رکھا ہے، لیکن اگر تمہیں سیر کرنی ہے تو چلو تمہیں کسی دن اس کی سیر کرادیں گے۔ پھر ایک دن مجھے ایک عمل بتایا اور فرمایا کہ رات کو تہجد کی نماز کے بعد یہ عمل کرنا۔ چنانچہ میں نے تہجد کے بعد جب وہ عمل کیا تو مجھے عجیب وغریب مناظر نظر آئے، مثلاً میں نے یہ دیکھا کہ "گاندھی" کا سر کٹا رکھا ہے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب گاندھی زندہ تھا اور اس وقت پاکستان نہیں بنا تھا۔ جب اگلے دن حضرت سے ملاقات ہوئی تو حضرت نے پوچھا کہ ہاں بھائی! کچھ سیر ہوئی؟ میں نے کہا کہ ہاں! فلاں چیز نظر آئی تھی، حضرت نے پوچھا کہ اور سیر کرنے کو دل چاہتا ہے یا بس؟ میں نے کہا کہ حضرت! بس کافی ہے۔ حضرت والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ہی رات میں اس کوچے کی سیر کرادی۔

یہ وقت اللہ کے ذکر میں لگادو

بہر حال! یہ کیفیات، یہ تصرفات، یہ کشف، جس طرح وہبی ہیں، اسی طرح کسبی بھی ہیں، اگر آدمی کوشش کر کے ان چیزوں کو حاصل کرنا چاہے تو یہ چیزیں حاصل ہو بھی جاتی ہیں۔ لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ارے میاں! تم جتنا وقت ان کاموں کی مشق کرنے پر صرف کرو گے، مثلاً یہ کہ تم نے تارے پر نگاہ جمائی ہوئی ہے، یا بیل پر جمائی ہوئی ہے، یا گائے پر جمائی ہوئی ہے، اتنا وقت تم اللہ کے ذکر پر صرف کیوں نہیں کر دیتے، کیونکہ یہ

فضول مشغلہ ہے، آخرت میں ذرہ برابر اس کا فائدہ نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ عمل جائز ہے، لیکن کوئی فضیلت کی اور اجر کی چیز نہیں۔ اس لئے جتنا وقت تم ان پر لگانا چاہتے ہو، اتنا وقت اللہ کے ذکر میں لگا دو، اگر ایک مرتبہ "سبحان اللہ" کہہ دو گے تو میزان اعمال کا آدھا پلڑا بھر جائے گا، اس لئے کیوں ان فضول کاموں میں اپنا وقت صرف کرتے ہو؟

ذکر مقصود ہے، یکسوئی مقصود نہیں

بہر حال! یہ کیفیات "کسبی" بھی ہیں، لیکن اس کے لئے یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے، اور ذہین آدمی کو چونکہ یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، اس لئے اس کو کیفیات حاصل نہیں ہوتیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی شخص یہ لکھتا کہ حضرت! ذکر تو کرتا ہوں، مگر یکسوئی حاصل نہیں ہوتی، جواب میں حضرت والا لکھتے:

ذکر کرتے رہو، چاہے یکسوئی بقدر یک سوئی حاصل نہ ہو۔

یعنی ایک سوئی کے برابر بھی اگر یکسوئی حاصل نہ ہو، تب بھی ذکر کرتے رہو، کیونکہ ذکر مقصود ہے اور یہ غیر اختیاری کیفیات مقصود نہیں، لہٰذا جو شخص ذہین ہوتا ہے اس کو یہ کیفیات حاصل نہیں ہوتیں۔

نماز میں لشکر کی ترتیب

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اِنّی لَاُجَهِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ۔

(بخاری، کتاب العمل فی الصلوٰۃ، باب یفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ)

یعنی نماز کے اندر میں اپنے لشکر کی ترتیب دیتا ہوں۔ جب میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو جو لشکر کسی مہم پر روانہ کرنا ہوتا تو اس کی ترتیب دیتا ہوں کہ کونسی صف آگے ہوگی اور کونسی صف پیچھے ہوگی، کس کو کہاں کھڑا کرنا ہے اور کس کو کہاں کھڑا کرنا ہے۔ یہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز تھی، ہما شما کی نماز نہیں تھی۔ بہر حال! اگر یکسوئی حاصل نہیں ہے تو اس کی وجہ سے بہت زیادہ فکر اور تشویش میں پڑنے کی ضرورت نہیں، ارے! جس طرح بن پڑے عبادت کیے جاؤ، عمل میں کوتاہی نہ کرو، عمل کو مت چھوڑو، عمل کو بے کار نہ سمجھو، جس عمل کی توفیق ہو رہی ہے، اس کی ناقدری نہ کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس عمل کی توفیق ہو رہی ہے، اس لئے کہ جتنا شکر ادا کرو گے اتنا ہی زیادہ توفیق ہوگی۔

توفیق خداوندی پر نظر ہو

ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی طرف مت دیکھو، بلکہ اس کی طرف دیکھو کہ اللہ جل شانہ نے عمل کی توفیق عطا فرمائی، ورنہ کتنے لوگ ہیں جن کو یہ توفیق حاصل نہیں، لہٰذا پہلے اس کا شکر تو ادا کرو اور کہو، اے اللہ! آپ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے اس کی توفیق عطا فرمادی۔ اور اگر تم اس عمل کی ناقدری میں لگ جاؤ گے اور یہ کہو گے کہ ہماری نماز کیا ہے، یہ تو ٹکریں مارنا ہے،

ارے سوچو تو سہی، اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ نعمت عطا فرمائی تھی اور تم اس کی ناقدری کر رہے ہو اور اس کو ٹکریں مارنا کہہ رہے ہو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیشانی ٹیکنے کی جو توفیق ہوئی، کیا یہ توفیق تمہارے عمل کی وجہ سے ہوئی؟ نہیں، بلکہ اللہ جل شانہ نے توفیق عطا فرمائی، لہٰذا اس توفیق پر اس کا شکر ادا کرو، ناشکری مت کرو، البتہ اس عمل میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس پر استغفار کرو۔

عمل مطلوب ہے

لہٰذا نہ کیفیات مطلوب ہیں، نہ غیر اختیاری حالات مطلوب ہیں، نہ لذتیں مقصود ہیں، نہ یکسوئی مطلوب ہے، بلکہ عمل مطلوب ہے کہ قدم اس راستے پر بڑھتے رہیں، ان کے راستے پر قدم ہوں، چاہے وہ عمل دل سے ہو یا بے دلی سے ہو، ہاں اپنی سعی کوشش کرتے رہو کہ اس عمل میں خشوع پیدا ہو، اس لئے کہ کوشش کرنا فرض ہے، حاصل ہونا فرض نہیں، لہٰذا اگر کوشش کے باوجود خشوع حاصل نہ ہو تو تمہارے اوپر کوئی مواخذہ نہیں۔

وساوس بجلی کے تار کی مانند ہیں

آگے حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

شیطان کی مثال "بجلی کے تار" جیسی ہے کہ اس کو ہاتھ ہی نہ لگاؤ، نہ جلب کے لئے نہ دفع کے لئے، ورنہ تم کو لپٹ جائے گا، بلکہ اس کو منہ بھی نہ لگاؤ، اس کی طرف

التفات بھی نہ کرو، یہی علاج ہے وساوس کا جو منجانب شیطان ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۹۰)

دیکھئے! ایک بجلی کا تار سامنے پڑا ہوا ہے اور اس کے اندر کرنٹ دوڑ رہا ہے، اگر کوئی شخص جاتے ہوئے یہ سوچے کہ یہ تار میرے راستے میں رکاوٹ بن رہا ہے، لہٰذا اس کو ہاتھ سے پیچھے کر دوں۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو وہ تار اس کو پکڑ لے گا، لہٰذا اس تار کو نہ تو حاصل کرنے کے لئے پکڑو اور نہ دفع کرنے کے لئے پکڑو، بلکہ راستہ کترا کر دوسری طرف سے نکل جاؤ، کیونکہ اگر اس کو دفع کرنے کے لئے بھی پکڑا تو وہ وہیں پکڑ لے گا۔ یہی حال شیطان کی طرف سے آئے ہوئے وسوسوں کا ہے کہ نہ ان کو حاصل کرنے کی فکر کرو اور نہ ان کو دفع کرنے کی فکر کرو، بلکہ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے کترا کر، دوسری طرف دھیان لگا کر، دوسری طرف متوجہ ہو کر اور اس کی طرف سے بے التفاتی کرتے ہوئے نکل جاؤ، بس یہی طریقہ بچنے کا ہے، اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں۔

وساوس کے آنے یا لانے کا شک

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ:

بعض دفعہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ وسوسہ خود آتا ہے یا میں لاتا ہوں، معیار بتلایا جائے۔

جواب میں حضرت والا نے لکھا کہ:

معیار کی حاجت نہیں، جب آمد اور آورد میں شک ہے اور ادنیٰ درجہ یقینی ہے تو "الیقین لا یزول بالشّک" اس کو آمد ہی سمجھنا چاہیے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۹۰)

خیالات کا لانا منع ہے

بات دراصل یہ ہے کہ خیالات کا خود بخود آنا منع نہیں، لیکن خیالات کا لانا منع ہے، مثلاً آپ نماز پڑھ رہے ہیں، اب اگر نماز میں خیالات لائے بغیر خود بخود خیالات آرہے ہیں اور اپنی طرف سے دھیان نماز کے الفاظ کی طرف لگایا ہوا ہے تو یہ بذات خود منع نہیں، لیکن آدمی نماز کے اندر سوچ سوچ کر خیالات لائے، یہ منع ہے۔ اور یہ مسئلہ حضرت والا نے بہت سے مقامات پر بیان فرمایا ہے کہ خیالات کا آنا منع نہیں، خیالات کا لانا منع ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت والا سے عرض کرتا کہ حضرت! نماز میں دل نہیں لگتا تو جواب میں حضرت والا فرماتے کہ نماز میں دل لگانا فرض ہے، دل لگنا فرض نہیں۔ یعنی اپنی طرف سے دل لگانے کی کوشش کرنا ضروری ہے، لیکن لگنا ضروری نہیں، لہٰذا اگر دل لگانے کی کوشش کے باوجود خیالات آتے ہیں تو آنے دو، اس پر مؤاخذہ نہیں۔

یہ خیالات خود آئے ہیں

اس پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت! بعض خیال کے بارے میں

یہ شک ہو جاتا ہے کہ یہ خیال اور وسوسہ خود آیا ہے یا میں لایا ہوں، اس کا پتہ کیسے چلایا جائے؟ اس کا کیا معیار ہے؟ اس پر حضرت والا نے جواب میں لکھا کہ معیار کی حاجت نہیں، جب "آمد" اور "آورد" میں شک ہے اور ادنیٰ درجہ یقینی ہے تو "اَلیقین لا یَزُوْلُ بِالشَّکِّ" کے قاعدے سے ان کو "آمد" ہی سمجھنا چاہئے۔ یعنی اگر یہ یقین ہو جائے کہ یہ خیال میں خود لایا ہوں تو اس سے اجتناب کرو اور اس پر استغفار کرو، اور اگر یہ پتہ چل جائے کہ یہ خیال خود بخود آیا تھا، میں لایا نہیں تھا، تو اس پر زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں، انشاء اللہ اس پر مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ لیکن جہاں شک ہو کہ پتہ نہیں کہ یہ خیال خود آیا تھا یا میں لایا تھا تو اس کے بارے میں سمجھنا چاہئے کہ یہ خیال خود بخود آیا ہے، یعنی اس پر زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

اختیاری کام میں لگے رہو

خلاصہ یہ ہے کہ یہ جو نماز کے اندر ہمیں اکثر و بیشتر فکر رہتی ہے۔ اور یہ فکر رہنی بھی چاہئے۔ کہ ہماری نماز میں خیالات بہت آتے ہیں اور وسوسے اور خطرات آتے ہیں، تو معلوم نہیں کہ ہماری نماز قبول بھی ہوئی یا نہیں؟ اس کے بارے میں یہ اصول ہے کہ ایک کام تو اپنے اختیار سے کرنے کا ہے، وہ کام تو کرنا ضروری ہے اور اس کی فکر بھی ضروری ہے، اس سے غفلت اور بے فکری نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ جس طرح نماز مطلوب ہے، نماز کے اندر خشوع بھی مطلوب ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝

(سورۃ المؤمنون، آیات ۱۔۲)

ان آیات میں "فلاح" کو صرف "صلوٰۃ" پر مرتب نہیں فرمایا، بلکہ اس کے ساتھ "خشوع" کی بھی قید لگائی، لہٰذا "خشوع" ایسی چیز نہیں کہ آدمی اس سے بے فکر ہو کر بیٹھ جائے، بلکہ اس کی تحصیل بقدر امکان فرض ہے، جس طرح نماز میں قیام فرض ہے، رکوع فرض ہے، سجدہ فرض ہے، اسی طرح خشوع بھی فرض ہے، اور اس کے حصول کے لئے کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔

خشوع کا کونسا درجہ مطلوب ہے

لیکن کوشش کس طرح کی جائے؟ اس کے بارے میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہیں۔ جب خشوع کا لفظ آتا ہے کہ نماز میں خشوع ہونا چاہئے تو ذہن فوراً حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف چلا جاتا ہے، اور خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف چلا جاتا ہے کہ ان جیسا خشوع حاصل کرنا چاہئے کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو اس طرح کھڑے ہوتے جس طرح کوئی لکڑی کھڑی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں اور دل میں کوئی دوسرا خیال آتا ہی نہیں۔ ارے بھائی! اتنا اونچا اڑنے کی فکر نہ کرو، بلکہ اپنی حد میں رہو اور اپنی حد کے اندر رہتے ہوئے خشوع کی فکر کرو۔ کبھی ہمارا ذہن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف چلا جاتا ہے کہ ان کو نماز کے

دوران پرندے کا خیال آگیا جو گھنے باغ کے درختوں میں اس طرح الجھ گیا تھا کہ اس کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا، نماز کے بعد ان کو اس خیال کے آنے پر انتہائی صدمہ ہوا کہ اس پرندے نے میرے خیال کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہٹا کر اپنی طرف متوجہ کر دیا اور اس کی تلافی کے لئے انہوں نے اپنا وہ باغ اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

اپنی بساط کی حد تک کوشش کرلو

ارے بھائی! کہاں ابو طلحہ کا خشوع اور کہاں ہم۔ اب آدمی اس واقعہ سے سبق حاصل کرنے کے بجائے مایوس ہونے لگتا ہے کہ ہم کہاں اس مقام تک پہنچ سکتے ہیں، ہمیں تو خشوع حاصل ہو ہی نہیں سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جتنا خشوع حاصل کر سکتے تھے اس کو حاصل کرنے کی بھی کوشش چھوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حضرت والا فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے بزرگان دین کے اس قسم کے جتنے واقعات ہیں، ان واقعات کو ضرور پڑھا کرو، تاکہ اس کے نتیجے میں تمہاری ہمت میں کچھ قوت پیدا ہو اور ان کے ذریعہ عبرت حاصل ہو، لیکن یہ مت سمجھنا کہ اس مقام تک پہنچنا تمہارے ذمے فرض ہے، بلکہ تم اپنی بساط کو دیکھو اور اپنی بساط کی حد تک جتنا کر سکتے ہو وہ کرلو۔

ابراہیم بن ادہم جیسا زہد حاصل کرنے کی فکر

یا مثلاً حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ پڑھ لیا کہ وہ بادشاہی

اور تمام سامان اور اسباب چھوڑ کر چل پڑے اور سوائے ایک تکیے اور پیالے کے کچھ ساتھ نہ لیا، آگے چل کر جب ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ چلو سے پانی پی رہا ہے تو انہوں نے سوچا کہ یہ پیالہ بھی فضول ہے، اس کو بھی پھینک دیا، اور آگے چلے تو دیکھا کہ ایک آدمی سر کے نیچے ہاتھ رکھ کر سو رہا ہے تو انہوں نے سوچا کہ یہ تکیہ بھی فضول ہے، اس کو بھی پھینک دیا۔ اب اگر کوئی شخص اس واقعہ کو سن کر یہ سوچے کہ نجات کا راستہ وہ ہے جو حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا، تو پھر تو ہمارا کباڑا ہو گیا، ہماری تو ساری دنیا ماری گئی۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ان کے واقعات کو ضرور پڑھو، لیکن دنیا کی حقیقت سمجھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کے لئے پڑھو، مگر یہ مت سمجھو کہ تمہارے لئے مدار نجات وہی ہے، بلکہ تمہارے لئے مدار نجات وہ ہے جو تمہاری اپنی بساط کے مطابق ہے۔

اس خشوع کی فکر میں مت پڑو

بہر حال! خشوع کا وہ مقام جو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل تھا یا خشوع کا وہ مقام جو حضرات صحابہؓ کو حاصل تھا کہ سینے پر تیر لگ رہے ہیں، لیکن نماز جاری ہے یا خشوع کا وہ مقام جو اولیاء اللہ اور بزرگان دین کو ملا، اگر وہ مقام تمہیں نہیں مل سکتا اور نہیں ملا تو جو تمہارے کرنے کا کام ہے اتنا تو کرو۔

زبان سے نکلنے والے الفاظ کی طرف دھیان دو

وہ کام کیا ہے؟ وہ کام یہ ہے کہ نماز پڑھتے وقت جو الفاظ زبان سے نماز کے اندر ادا ہو رہے ہیں، ان کی طرف دھیان رکھو، مثلاً جب زبان سے "الحمد للہ رب العالمین" پڑھ رہے ہو تو دھیان بھی انہی الفاظ کی طرف رکھو، اور آپ کو یہ معلوم رہنا چاہئے کہ میں زبان سے "الحمد للہ ربّ العالمین" کہہ رہا ہوں۔ جب یہ کام کرلیا تو بس تمہارے ظرف اور تمہاری بساط کی حد تک خشوع حاصل ہو گیا اور زیادہ اونچی پرواز کی فکر مت کرو۔ یہ نہ ہو کہ جب نماز کی نیت باندھی اور تکبیر تحریمہ کہی تو ایک سوئچ اون ہو گیا اور مشین چل پڑی اور اب کچھ پتہ نہیں کہ کس وقت کیا ہو رہا ہے اور پوری نماز اسی طرح ختم ہو گئی، اب یہ بھی یاد نہیں کہ پہلی رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی اور دوسری رکعت میں کونسی سورت پڑھی تھی، یہ چیز خشوع کے خلاف ہے۔ خشوع یہ ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کر کے دماغ کو ان الفاظ کی طرف لگاؤ جو تم زبان سے ادا کر رہے ہو۔

دھیان کو دوبارہ لے آؤ

اگر تم نے کوشش کی اور اس کوشش کے نتیجے میں دماغ اس طرف متوجہ ہوا اور

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

پڑھنے تک یہ توجہ برقرار رہی، پھر اچانک دل میں کوئی اور غیر اختیاری خیال آگیا اور

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝

بے توجہی سے پڑھ لیا، تو یہ غیر اختیاری خیال آنا خشوع کے منافی نہیں اور اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، بشرطیکہ جس وقت تمہیں تنبیہ ہو جائے اور یہ خیال آئے کہ میں تو بھٹک گیا تو پھر واپس ان الفاظ کی طرف آجاؤ جو تم پڑھ رہے تھے۔ لہٰذا جب:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

پڑھتے وقت تنبّہ ہو گیا تو اب دھیان کو دوبارہ اس طرف لے آؤ۔ پھر اگر دوبارہ بھٹک جائے تو پھر واپس آجاؤ، پھر بھٹک جائے پھر واپس آجاؤ، اگر اسی طرح کرتے ہوئے نماز پوری کرلی تو خشوع حاصل ہے، البتہ اپنی طرف سے خیالات نہ لاؤ۔

خیالات لانے کا مطلب

خیالات لانے کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً آپ کو کسی کاروباری مسئلے میں سوچنا ہے اور آپ نے سوچا کہ کوئی اور وقت تو ملتا نہیں، چلو نماز پڑھتے وقت سوچ لیں گے اور اس وقت غور کرلیں گے، اب جب نماز میں کھڑے ہوئے تو باقاعدہ اس کاروباری مسئلے پر غور کرنا شروع کر دیا۔ یہ صورت حرام اور ناجائز ہے، اس لئے کہ اس میں اپنی طرف سے قصد کر کے خیالات لا رہے ہیں جو

ناجائز ہے۔

دینی خیال لانا جائز ہے

لیکن یہاں ایک بات اور عرض کردوں جو بڑے کام کی بات ہے، وہ یہ کہ ان خیالات کا لانا ناجائز ہے جو خالص دنیاوی ہوں، لیکن طاعت اور عبادت کا خیال سوچ کر اور قصد کر کے لانا بھی جائز ہے، یہ گناہ اور ناجائز نہیں۔ مثلاً ایک شخص عالم ہے اور وہ نماز میں قصد کر کے کسی فقہی مسئلے کے بارے میں سوچ رہا ہے اور جان بوجھ کو خیال لا رہا ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صورت ناجائز نہیں، اس لئے کہ وہ خیال لانا منع ہے جو "ماسوی اللہ" ہو، اور جو خیال اللہ ہی کے لئے ہو وہ ماسوی اللہ میں داخل نہیں، لہٰذا اس کا لانا ناجائز نہیں۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو عمل بیان کیا کہ:

اِنّی لَاُجَھِّزُ جَیْشِیْ وَاَنَا فِی الصَّلٰوۃِ۔

(بخاری، کتاب العمل فی الصلوۃ، باب یفکر الرجل الشئی فی الصلوۃ)

کہ میں نماز کے اندر لشکر کو ترتیب دیتا ہوں۔ ان کا یہ عمل بھی اسی پر محمول ہے کہ وہ ماسوی اللہ میں داخل نہیں، کیونکہ یہ لشکر کی ترتیب جہاد جیسی عظیم الشان عبادت کے لئے ہو رہی ہے جو اللہ جل شانہ کی رضا جوئی کے لئے ہو رہا ہے، اس لئے وہ ماسوی اللہ نہیں۔ لہٰذا لشکر کی ترتیب کا خیال قصداً لانا بھی ناجائز نہیں۔

نماز میں مسئلہ سوچنا

لہٰذا عالم شخص کو نماز میں مسئلہ سوچنا جائز تو ہے، لیکن سوچنا نہیں چاہیے، کیونکہ ہر کام کا ایک موقع ہوتا ہے، لہٰذا ہمیں تو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ دوسرا خیال نہ آئے، اسی طاعت کی طرف توجہ رہے، لیکن اگر کبھی ضرورت پڑ جائے، مثلاً وقت نہیں ہے اور نماز ہی میں سوچنا پڑ گیا تو بھی گناہ نہیں۔

امام غزالیؒ اور ان کے بھائی کا واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو بہت بڑے صوفی بھی تھے، بڑے عالم بھی تھے اور فقیہ بھی بڑے تھے، ان کے ایک بھائی تھے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام "محمد" تھا، ان کی دس پشتوں تک سب کا نام محمد ہی محمد تھا، محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد بن محمد الغزالی، اور ان کے بھائی کا نام "احمد الغزالی" تھا۔ امام غزالیؒ تو جامع شریعت و طریقت تھے، ان کے بھائی صرف صوفی تھے، علوم ظاہرہ کی طرف توجہ کم تھی، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھایا کرتے تھے، لیکن ان کے بھائی احمد غزالیؒ ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے، ایک دن ان کی والدہ نے ان کے بھائی سے کہا تو تم ان کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ جواب میں کہا کہ بس میں اپنی نماز الگ پڑھ لیتا ہوں، ماں نے اصرار کیا کہ نہیں، تم ان کے پیچھے نماز پڑھا کرو۔

چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے اور یہ ان کے

پیچھے نیت باندھ کر کھڑے ہو گئے، اور پھر درمیان نماز میں نیت توڑ کر بھاگ گئے۔ ان کی والدہ نے پوچھا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی؟ انہوں نے جواب دیا کہ مجھ سے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جاتی، اس لئے کہ یہ نماز میں بھی حیض و نفاس کے مسائل سوچتے رہتے ہیں، لہٰذا میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ وہ ماں بھی امام غزالی کی ماں تھی، انہوں نے فرمایا کہ خدا کے بندے! اگر وہ نماز کے اندر حیض و نفاس کے مسائل سوچتا ہے تو شریعت کے مسائل حل کر رہا ہوتا ہے، وہ بھی طاعت اور عبادت ہے اور تو نماز کے اندر اس کی عیب جوئی میں لگا رہتا ہے، تجھے نماز کے اندر اس کی عیب جوئی کے خیالات آتے ہیں، لہٰذا تو تو نماز کے اندر حرام کام کا ارتکاب کر رہا ہے، اب بتا اس کی نماز بہتر ہے یا تیری نماز بہتر ہے؟ تب ان کو متنبہ ہوا کہ واقعۃً میں غلطی پر تھا۔

خلاصہ

بہر حال، حضرت والا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز کے اندر طاعت کا خیال جان بوجھ کر لائے تو یہ جائز ہے، اور اگر طاعت کا خیال نہیں ہے تو قصداً لانا تو جائز نہیں، خود بخود آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لہٰذا کرنے کا کام یہ ہے کہ اپنی طرف سے اس کی کوشش کرو کہ جب "اللہ اکبر" کہہ کر نماز شروع کرو تو اپنا دھیان ان الفاظ کی طرف لگاؤ جو تم زبان سے ادا کر رہے ہو اور سوچ سوچ کر پڑھو، پھر اگر درمیان میں دھیان اِدھر اُدھر چلا جائے تو پھر واپس آجاؤ، پھر بھٹک جائے تو پھر واپس آجاؤ، اس طرح بار بار کرتے رہو، انشاء اللہ مشق ہو

جائے گی، پھر غیر اختیاری خیالات کم آئیں گے، اور جو خیالات آئیں گے وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی خیالات سے اور وساوس سے حفاظت فرمائے، اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۱۵

عُجب اور اس کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر : ۵۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ط

مجلس نمبر ۵۱

عُجب اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

تمہید

گزشتہ کئی روز سے "تکبر" کا بیان چل رہا تھا، الحمدللہ اس کے بارے

میں کافی تفصیل سے بیان ہوگیا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس ''تکبر'' سے محفوظ رکھے۔ آمین۔ آگے حضرت مولانا عیسیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''عُجب'' کا عنوان لگایا ہے اور اس کے تحت بھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات بیان فرمائے ہیں۔ دیکھئے! تصوّف اور طریقت کی اصطلاح میں تین الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک عُجب، دوسرے کبر، تیسرے تکبر، بظاہر دیکھنے میں یہ تینوں ایک جیسے الفاظ ہیں لیکن تینوں کے مصداق میں باریک فرق ہے۔

''عُجب'' کی تعریف

سب سے پہلے انسان کے اندر ''عُجب'' پیدا ہوتا ہے اور اس عُجب کی انتہا تکبر پر ہوتی ہے۔ ''عُجب'' کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے کسی وصف کی طرف نگاہ کرکے اس کے نتیجے میں اپنے آپ کو دوسرے سے اچھا سمجھے اور اس وصف کے سلسلے میں عطاءِ حق تعالیٰ کی طرف نگاہ نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص عالم ہے، اب اس کے دل میں اپنے عالم ہونے کا احساس پیدا ہوا کہ میں عالم ہوں اور عالم ہونے کی بنیاد پر اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا سمجھا اور اس علم کے اللہ تعالیٰ کی عطاء اور نعمت ہونے کی طرف نگاہ نہیں کی، چاہے اس کے ساتھ دوسروں کی تحقیر ہو یا نہ ہو، دونوں صورتیں عُجب میں داخل ہیں۔ لہٰذا محض اپنے کسی اچھے وصف کا استحضار اللہ تعالیٰ کی عطاء اور نعمت ہونے کے استحضار کے بغیر کرنا یہ ''عُجب'' ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''عُجب'' کے اندر دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا صرف اپنی ذات سے تعلق ہوتا ہے۔

عُجب، کِبر اور تکبّر میں فرق

اسی "عُجب" کے نتیجے میں انسان کے اندر "کِبر" پیدا ہو جاتا ہے، "کِبر" کا مطلب یہ ہے کہ دل میں یہ خیال آنا کہ چونکہ میرے اندر یہ وصف موجود ہے، لہٰذا میں بڑا ہوں۔ "عُجب" کے اندر اپنی اچھائی کی طرف نگاہ ہوتی ہے اور "کِبر" کے اندر اپنی بڑائی کی طرف نگاہ ہوتی ہے، لہٰذا دوسروں سے اپنے کو بڑا سمجھ لینا "کِبر" ہے۔ پھر اس بڑا سمجھنے کے نتیجے میں دوسروں پر اپنی بڑائی کا اظہار کرنا "تکبّر" ہے، مثلاً اپنی اکڑ دکھا رہا ہے اور دوسروں کو حقیر سمجھ رہا ہے اور دوسروں کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کر رہا ہے، یہ سب "تکبّر" کے اندر داخل ہے۔

چوتھی چیز "استکبار"

پھر اس کے بعد ایک چوتھا درجہ ہے جس کو قرآن کریم نے "استکبار" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، "استکبار" کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان "تکبّر" کے نتیجے میں دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے تو اب ایک قدم اور آگے بڑھ کر یہ کرتا ہے کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا اور خود اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے فیصلے کرتا ہے اور بعض اوقات ظلم کے فیصلے بھی کر گزرتا ہے، یہ "استکبار" ہے۔ قرآن کریم نے یہ لفظ فرعون وغیرہ کے لئے استعمال کیا ہے، اس "استکبار" کے اندر حق کو قبول کرنے سے عناد پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

آمین۔

عُجب کا علاج

بہر حال! سب سے پہلے انسان کے اندر "عُجب" پیدا ہوتا ہے اور یہی عُجب آگے ترقی کر کے کبر اور تکبر اور استکبار پیدا کرتا ہے، اس لئے جب عُجب انسان کے اندر پیدا ہو تو پہلے ہی مرحلے میں اس کا علاج کرے۔ اس کے علاج کے سلسلے میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ ایک ملفوظ میں فرماتے ہیں:

> عمل میں دو حیثیت ہیں، ایک اپنا کمال، اس اعتبار سے (یعنی اپنا کمال سمجھ کر) اس پر نظر نہ کرنی چاہئے، دوسرا یہ کہ یہ خدا کی نعمت ہے، اس اعتبار سے اس پر مسرت مامور بہ ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (انفاس عیسیٰ ص ۱۶۲)

علم کو عطاء حق سمجھو

اگر کوئی شخص کوئی عمل کر کے اس عمل کو اپنا کمال سمجھ کر خوش ہو رہا ہے کہ یہ میرا کمال ہے اور عطاء حق تعالیٰ پر نظر نہیں تو "عُجب" ہے اور گناہ ہے، اور اگر اس عمل کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھ کر خوش ہو رہا ہے کہ میرے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نعمت عطا فرمائی ہے تو یہ خوشی محمود اور مطلوب ہے جس کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا (سورۃ یونس: آیت ۵۸)

گویا کہ اس کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ میرا تو کوئی کمال نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے یہ چیز عطا فرمادی اور اس فضل پر خوش ہو رہا ہے تو یہ خوشی نہ صرف یہ کہ عُجب اور کبر نہیں بلکہ یہ خوشی مامور بہ ہے، کیونکہ اس آیت میں فَلْيَفْرَحُوْا امر کا صیغہ ہے۔

نیک کام کرنے پر خوشی ایمان کی علامت ہے

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اذا سرتك حسنتك و ساء تك سَيِّئَتُكَ فانت مؤمن۔

یعنی جب تمہیں اپنے کسی اچھے عمل پر خوشی ہو اور بُرے عمل پر رنج ہو تو یہ تمہارے مؤمن ہونے کی علامت ہے۔ لہٰذا اگر نماز پڑھ کر خوشی ہوئی اور کہا کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایمان کی علامت ہے، اسی طرح روزہ رکھ کر خوشی ہوئی کہ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے مجھ سے روزہ رکھوالیا، یا اعتکاف کر کے خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اعتکاف کرنے کی توفیق عطا فرمادی تو یہ خوشی پسندیدہ ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں۔

یہ خوشی نقد خوشخبری ہے

ایک صحابیؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم! جب میں کوئی اچھا عمل کرتا ہوں تو دل میں خوشی ہوتی ہے، اس خوشی پر مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں یہ عجب تو نہیں ہے؟ جواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذلك عاجل بشرى المؤمن۔

یہ خوشی مؤمن کے لئے نقد خوشخبری ہے۔ یعنی یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقد انعام مل گیا کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے بشاشت پیدا کر دی، یہ کوئی عجب اور تکبر نہیں، اس سے نہیں گھبرانا چاہئے جب تک اس عمل کو حق تعالیٰ کی عطا سمجھتے رہو، جیسے کہ صحابہؓ نے فرمایا تھا کہ:

لولا اللّٰہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق نہ ہوتی تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، نہ ہم ہدایت یافتہ ہوتے، نہ صدقہ خیرات کرتے، نہ نماز پڑھتے۔ لہٰذا ان اعمال کو عطاء حق سمجھتے رہو اور ان پر خوش ہوتے رہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور اگر اس بات پر خوشی ہو رہی ہے کہ میں تو کمال تک پہنچ گیا اور اس عمل کے کرنے میں اللہ تعالیٰ کی عطاء پر نظر نہیں بلکہ اس کو اپنا استحقاق اور اپنا کمال سمجھتا ہے اور اس کے نتیجے میں دوسروں کی تحقیر کرتا ہے تو یہ خوشی وہ ہے جس کو قرآن کریم میں "لا تفرح" کے الفاظ کے ذریعہ منع کیا گیا ہے۔

خوشی مطلوب، خوشی ممنوع

اور اس آیت میں فرمایا کہ: فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا

خوش ہونے کا حکم دیا گیا تو ایک خوشی مطلوب اور مقصود اور مامور بہ ہے اور ایک خوشی ممنوع عنہ اور حرام ہے، جو خوشی مامور بہ ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمل کی جو توفیق عطا فرمائی، اس پر نظر کر کے خوش ہونا لیکن اپنے کمال پر خوش ہونا کہ میرا یہ کمال ہے کہ میں نے یہ عمل سرانجام دیا تو یہ اترا ہٹ ہے اور ممنوع عنہ اور حرام ہے۔

فرق کیلئے "شیخ" کی ضرورت

لیکن ان دونوں خوشیوں میں فرق انسان خود نہیں کر سکتا، بلکہ اس کے لئے کسی شیخ کی اور معالج کی ضرورت ہوتی ہے، وہ بتاتا ہے کہ یہاں پہلی قسم کی خوشی ہے، اس لئے فکر کی بات نہیں، جیسا کہ ان صحابیؓ کے دل میں شک پیدا ہوا کہ یہ خوشی جو میرے دل میں پیدا ہو رہی ہے، یہ پہلی خوشی ہو رہی ہے یا دوسری خوشی ہو رہی ہے، مامور بہ خوشی ہو رہی ہے یا منہی عنہ خوشی ہو رہی ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا، آپ نے فرمایا کہ "ذلك عاجل بشرى المؤمن" یہ پہلی قسم کی خوشی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب پر اطمینان ہو گیا کہ الحمد للہ یہ خوشی بُری نہیں ہے۔ اگر دوسری قسم کی خوشی ہوتی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا علاج فرماتے۔

آج کل "شیخ" بنانے کے مقاصد

شیخ کی ضرورت ان کاموں میں پڑتی ہے، لیکن آج کل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ اس سے وظیفے پوچھے جائیں کہ کیا

پڑھیں؟ اگر کوئی خواب دیکھوتو اس کی تعبیر شیخ سے پوچھو، اور اس سے یہ پوچھو کہ قرض ادا کرنے کی کیا دعا ہے؟ اور رزق بڑھانے کے لئے اور روزگار ملنے کی کیا دعا ہے؟ بس شیخ ان کاموں کے لئے ہوتا ہے، صبح سے لے کر شام تک انہی کاموں کے چکر ہوتے ہیں اور اسی کا نام پیری مریدی رکھ لیا ہے۔

یاد رکھئے! ان کاموں کا پیری مریدی سے کوئی تعلق نہیں، نہ تعویذ گنڈے، نہ دعائیں نہ وظیفے اور نہ خواب کی تعبیر، ان کا شیخ سے کوئی تعلق نہیں، اصل چیز پوچھنے کی یہ ہے کہ عمل کرنے پر مجھے جو خوشی ہو رہی ہے، یہ میری خوشی مقبول ہے یا نہیں؟ یہ خوشی عُجب اور گناہ تو نہیں ہے؟ اور پھر شیخ کے بتانے پر عمل کرو، پیری مریدی کا اصل مقصد یہ ہے۔ آج کل یہ باتیں تو پوچھتے نہیں، لیکن وظیفے اور ذکر اذکار پوچھتے رہتے ہیں۔

توفیق الٰہی پر شکر کرنا چاہئے

چنانچہ آگے حضرت والا فرماتے ہیں:

کام کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنے اعمال کو اپنا کمال نہ سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھ کر شکر کریں کہ انہوں نے ہم سے کام لے لیا ورنہ ہماری کیا طاقت تھی۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(انفاس عیسیٰ ص ۱۶۲)

جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے، مثلاً عبادت ہو رہی ہے، خدمت خلق ہو رہی ہے، کوئی علمی خدمت ہو رہی ہے، کوئی وعظ ہے، کوئی تبلیغ ہے، کوئی فتویٰ ہے، کوئی تصنیف ہے، کوئی تدریس ہے، جو کوئی خدمت ہو رہی ہے، اس کو اپنا کمال نہ سمجھو بلکہ اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اس کی توفیق عطاء فرمادی، ورنہ کتنے لوگ ہیں جو جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں، میری حقیقت ہی کیا تھی کہ میں یہ عمل کرتا، جب انسان یہ سوچتا ہے تو اس سے تکبر اور عجب پیدا نہیں ہوتا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یہ کیا احسان جتاتے ہو کہ میں نے فلاں خدمت انجام دیدی، یا فلاں خدمت انجام دیدی، فلاں تقریر کردی، فلاں فتویٰ لکھ دیا، فلاں کتاب لکھدی، احسان تو اللہ تعالیٰ کا مانو کہ اس نے تمہیں اس خدمت پر لگا دیا۔ ارے کتنے لوگ ہیں جن کو ان اعمال کی توفیق نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کام پر لگا دیا، کیا یہ ناز کی بات ہے؟ یہ کوئی فخر کرنے کی بات ہے؟ یا دوسروں پر بڑائی جتانے کی بات ہے؟ ارے یہ تو اللہ جل شانہ کا کرم ہے کہ اس نے تمہیں اس کام پر لگا دیا، اس لئے اس کام پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

مثلاً کوئی عبادت انجام دے لی، نماز پڑھ لی، روزہ رکھ لیا، اعتکاف کرلیا، تراویح پڑھ لی، تلاوت کرلی، ذکر کرلیا، تو ان عبادات کے کرنے پر احسان کس لئے جتاتے ہو؟ ارے یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے تمہیں ان

عبادات کی توفیق دیدی، اس توفیق پر اس کا شکر ادا کرو۔

شکر کے نتیجے میں مزید توفیق ہوگی

لہٰذا اس عبادت کی ناقدری نہ کرو اور ناشکری بھی مت کرو بلکہ شکر ادا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے اس عبادت کی توفیق عطاء فرمادی اور یہ سوچو کہ اگر اس کی توفیق نہ ہوتی تو میں نہ جانے کس حال میں ہوتا۔ جب یہ سوچو گے اور شکر ادا کرو گے تو پھر نہ تو عُجب قریب آئے گا اور نہ تکبر قریب آئے گا اور شکر ادا کرنے کی بدولت اللہ تعالیٰ مزید عبادات کی اور اچھے کاموں کی توفیق عطاء فرمائیں گے۔

"شکر ادا کرنا" قلندری عمل ہے

لیکن اس کام کی مشق کرنی پڑتی ہے، لہٰذا جب بھی کسی نیک کام کی توفیق ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ چنانچہ ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ بعض اعمال قلندری ہوتے ہیں اور یہ "شکر" بھی قلندری عمل ہے یعنی شکر ایسا عمل ہے کہ دیکھنے میں کوئی بڑا عمل نہیں، آپ نے چپکے سے کہہ دیا "الحمد للہ" کسی کو پتہ چلا کہ آپ نے کیا عمل کیا؟ یا یہ کہہ دیا:

اَللّٰھُمَّ لک الحمد و لک الشکر

کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ آپ نے کیا کیا، لیکن اندر ہی اندر ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہوگیا اور اس کے نتیجے میں تمہارا درجہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور دیکھنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلا۔

میان عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

شکر ادا کرنے کی مشق کرو

ہمارے حضرت والا فرمایا کرتے تھے کہ زبان پر شکر کا رٹا لگایا کرو، مثلاً گرمی لگ رہی تھی، ایک ہوا کا جھونکا آیا تو کہو اَللّٰھُمَّ لك الحمد و لك الشکر، گھر میں داخل ہوئے اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا معلوم ہوا اور اس سے دل خوش ہوا تو کہو اَللّٰھُمَّ لك الحمد ولك الشکر، بھوک لگ رہی تھی، کھانا سامنے آیا تو کہو اَللّٰھُمَّ لك الحمد و لك الشکر، دل ہی دل میں کہتے جاؤ اور اس کی عادت ڈالو کہ ہر وقت تمہارا دل اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی نعمت پر شکر کر رہا ہو۔ جب بار بار اس کی مشق کرو گے تو یہ بات حاصل ہو جائے گی، پھر یہ ہوگا کہ آدمی کام بھی کر رہا ہے اور دل اللہ تعالیٰ کے شکر میں مشغول ہے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

جگر پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکشی میں
کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سالہا سال مشق کی ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی نعمت پر شکر ادا ہوتا رہے، اندر ہی اندر اپنے مالک سے اپنے خالق سے اپنے آقا سے رشتہ جڑا ہوا ہے اور کسی دوسرے کو پتہ بھی نہیں ہے۔

''شکر'' رذائل کی جڑ کاٹتا ہے

یہ ''شکر'' ایسا تریاق ہے جو بیشمار رذائل کی جڑ کاٹتا ہے اور بے شمار فضائل اس کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں، اس لئے اس ''شکر'' کی عادت ڈالو، یہ قلندری عمل ہے، اس کے اندر بہت بڑے مجاہدات اور ریاضتیں نہیں ہیں، بہت مختصر سا کام ہے کہ صبح سے لے کر شام تک ہر عمل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے چلے جاؤ، مثلاً آپ مسجد سے باہر نکلے اور دروازے پر جوتے آسانی سے مل گئے تو کہو اَللّٰھُمَّ لك الحمد و لك الشکر، کسی سے ملاقات کے لئے گئے اور اس شخص سے ملاقات ہوگئی تو دل میں کہو اَللّٰھُمَّ لك الحمد و لك الشکر، جو بھی مقصد حاصل ہو جائے، چاہے وہ چھوٹے سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو، اس پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو۔ لوگ اس شکر کی قدر نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ بہت معمولی سا عمل ہے، لیکن یہ عظیم تریاق ہے، اس پر عمل کر کے دیکھو، جوں جوں انسان اس کی مشق کرے گا اور اس پر عمل کرے گا تو پھر یہ عجب اور تکبر پاس نہیں پھٹکے گا۔ اور شیطان بھی یہ گر جانتا تھا کہ جو بندہ شکر کرتا رہے گا وہ میرے قبضے میں نہیں آئے گا، اسی وجہ سے اس نے کہا تھا کہ:

وَلَا تَجِدُ اَکْثَرَھُمْ شٰکِرِیْنَ ۔ (سورۃ الاعراف، آیت ۱۷)

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے مجھے اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۵۲

غصّہ اور اس کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ٥٢٠

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۵۴

غصّہ اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

”غصّہ“ اُمّ الامراض ہے

رمضان المبارک میں کئی سالوں سے ظہر کی نماز کے بعد حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''انفاس عیسیٰ'' پڑھنے کا معمول چلا آ رہا ہے اور اس میں رذائل کا بیان چل رہا ہے، اب یہاں جوش اور غصہ کا بیان شروع ہو رہا ہے، یہ ''غصہ'' بھی رذائل میں سے ہے، بلکہ بعض حضرات صوفیاء نے فرمایا کہ یہ ''اُمّ الامراض'' ہے، یعنی یہ غصہ خود تو بیماری ہے اور نہ جانے کتنی بیماریاں پیدا کرتا ہے، اس غصہ کے نتیجے میں بے شمار گناہ سرزد ہوتے ہیں، مثلاً غصہ میں بے قابو ہوکر گالی گلوچ شروع کر دی، نامناسب الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیے، غصہ اور آگے بڑھا تو مار پٹائی شروع کر دی اور اس میں حد سے آگے بڑھ گیا۔

غصہ کے ساتھ جمع ہونے والے امراض

اور پھر انسان دوسرے پر اس وقت غصہ کرتا ہے جب اپنے آپ کو اس سے بہتر سمجھتا ہے، کیونکہ اگر انسان اپنے آپ کو کمتر سمجھے تو اس کو کبھی غصہ نہیں آئے گا، اس لئے اس غصہ کے ساتھ ''کبر اور عُجب'' بھی جمع ہو جاتا ہے، کبھی اس کے ساتھ ''بغض'' بھی جمع ہو جاتا ہے، لہٰذا بے شمار باطنی امراض اس کے نتیجے میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس وجہ سے حضرات صوفیاء کرام کے پاس جب کوئی شخص علاج کے لئے جاتا تھا تو وہ سب سے پہلے اس غصہ کا علاج کیا کرتے تھے۔

دو جبلّی چیزیں

انسان کی جبلّت میں دو بنیادی چیزیں ہیں، ایک غصہ، دوسرے شہوت،

چاہے وہ شہوت بطن کی ہو یا فرج کی ہو۔ اگر غور کرد گے تو یہ نظر آئے گا کہ سارے گناہوں، ساری معصیتوں اور سارے گناہوں کی جڑ یہی دو چیزیں ہیں، اسی وجہ سے حضرات صوفیاء کرام سب سے پہلے غصے کا علاج کرتے ہیں، کیونکہ اگر غصہ قابو میں نہ ہوگا تو وہ نہ جانے کتنے گناہوں میں اور کتنے ضلالت کے گڑھوں میں جاکر گرے گا۔

مختصر نصیحت کا مطالبہ کرنا

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "عِظْ و اَوجز" نصیحت فرمایئے اور مختصر فرمایئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بُرا نہیں منایا کہ نصیحت بھی طلب کر رہے ہو اور اوپر سے شرطیں بھی لگاتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نصیحت طلب کرنے والا یہ کہہ دے کہ مجھے مختصر نصیحت فرما دیجئے تو اس میں ناراضگی کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ اس کا حق ہے، کیونکہ اگر اس نے آپ سے نصیحت طلب کی اور اس کے پاس وقت کم تھا، اب آپ نے اس کے سامنے ڈھائی گھنٹے کی تقریر کر دی، حالانکہ اس کو سفر میں جانا تھا اور وہ جلدی میں تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیچارہ نصیحت طلب کرنے کے نتیجے میں مصیبت میں مبتلا ہو گیا، اور جب اس کے دماغ پر جلدی جانے کا بوجھ ہوگا تو وہ کیا آپ کی نصیحت سنے گا اور کیا سمجھے گا اور کیا اس پر عمل کرے گا، اس لئے بات کرنے والے کو چاہئے کہ مخاطب کے حال کا لحاظ کرے۔ اور اس حدیث میں تو خود مخاطب نے یہ کہہ دیا کہ میرے پاس وقت کم ہے، اس لئے مجھے مختصر نصیحت فرما دیجئے۔

غصہ مت کرنا

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مختصر نصیحت فرمائی کہ: ''لَا تَغْضَبْ'' غصہ مت کرنا۔ یہ مختصر نصیحت فرمادی، اس سے پتہ چلا کہ یہ غصہ ہی درحقیقت بہت سی بُرائیوں کا سرچشمہ ہے، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری بُرائیوں اور بداعمالیوں اور ساری معصیتوں میں سے اس کا انتخاب فرمایا، حالانکہ آپ چاہتے تو یہ فرماسکتے تھے کہ دیکھو جھوٹ مت بولنا، غیبت نہ کرنا، زنا نہ کرنا، چوری نہ کرنا وغیرہ، لیکن ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ غصہ مت کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی بہت بڑی بُرائی ہے اور یہ سب گناہوں کا باپ ہے جس کے نتیجے میں انسان اور بہت سے گناہوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔

غصہ ضروری بھی ہے

یہ غصہ ایسی چیز ہے کہ بعض اوقات اس کی ضرورت ہوتی ہے، اگر یہ غصہ بالکل نہ ہو تو انسان زندہ ہی نہیں رہ سکتا، مثلاً کوئی دشمن یا کوئی درندہ آپ کے اوپر حملہ آور ہو گیا، اب اگر اس وقت آپ کو غصہ نہ آئے بلکہ پڑے رہیں اور مار کھاتے رہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ہی ختم ہو جائیں گے۔

ایک صاحب بہادر کا قصہ

ہمارے والد صاحبؒ ایک قصہ سنایا کرتے تھے کہ ایک صاحب بہادر

تھے، کسی بڑے عہدے پر تھے، ہر کام نوکر سے کرانے کے عادی تھے، خود کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ایک دن صبح بیدار ہوئے تو دیکھا کہ گھر کے اندر بندر آ گئے، ایک بندر ان کا سوٹ اٹھا کر لے گیا، ایک بندر ان کی پتلون اٹھا کر لے گیا، ایک بندر ان کا ہیٹ اٹھا کر لے گیا، اب صاحب بہادر بستر پر پڑے یہ سب تماشہ دیکھ رہے تھے اور آوازیں دے رہے تھے کہ ارے بھائی! کوئی مردوا (مرد) ہے جو ان بندروں کو روکے، اتنے میں ان کا کوئی دوست آ گیا، اس نے آ کر کہا کہ جناب! آپ بھی تو مردوے (مرد) ہیں، صاحب بہادر نے کہا کہ ہاں بھائی! خوب یاد دلایا، چنانچہ جلدی سے بستر سے اٹھے اور بندروں کے پیچھے دوڑے، اتنی دیر میں وہ بندر سب چیزیں لے کر جنگل کی طرف بھاگ چکے تھے۔ لہٰذا یہ طرز عمل کہ بستر پر لیٹے ہیں اور اپنی مدافعت نہیں کر رہے ہیں، یہ صورت بھی انسان کی فطرت کے خلاف ہے، بلکہ انسان کی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ جب اس پر کوئی حملہ آور ہو تو وہ اپنی مدافعت کرے اور اس پر غصہ کرے۔

غصہ کرنا عبادت بھی ہے

لہٰذا غصہ ہر جگہ برا نہیں ہوتا بلکہ بعض جگہ پر صحیح اور برحق ہوتا ہے بلکہ عبادت ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے۔ نعوذ باللہ۔ اس وقت اگر مسلمان کو غصہ نہ آئے تو اس سے زیادہ بے غیرتی اور کیا ہوگی؟ اس موقع پر غصہ کرنا ہی عبادت ہے۔ لہٰذا بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں پر غصہ کا استعمال درست ہوتا ہے بلکہ بہتر ہوتا ہے

بلکہ واجب بھی ہوتا ہے، اور بہت سے مواقع ایسے ہیں جہاں پر غصہ کا استعمال برا ہے بلکہ گناہ اور معصیت ہے۔

سالک ابتداءً بالکل غصہ نہ کرے

لیکن جب کوئی مرید اپنی تربیت کرانے کے لئے کسی سے تعلق قائم کرتا ہے تو شیخ اس مرید سے کہتا ہے کہ تم فی الحال غصہ بالکل مت کرنا، کیونکہ تم اس میں تمیز نہیں کرسکو گے کہ کہاں غصہ کرنا حق ہے اور کہاں ناحق ہے، لہٰذا ابھی تو تم یہ مشق کرو کہ کسی بھی موقع پر غصہ مت کرو۔ اسی کا نام ''مجاہدہ'' ہے، یعنی کسی محظور سے بچنے کے لئے سدِّ ذریعہ کے طور پر کسی مباح چیز کو بھی ترک کر دینا، بھی مجاہدہ ہے۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ''مجاہدہ'' کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں کہ ایک کاغذ کو ایک طرف موڑ دو، پھر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ سیدھا نہیں ہوگا، اس کے سیدھا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو مخالف سمت کی طرف موڑ دو، جب اس کو مخالف سمت کی طرف موڑ دو گے تو یہ کاغذ سیدھا ہو جائے گا۔

نفس کو دوسری سمت میں موڑ دو

اسی طرح ہمارا نفس بھی گناہوں کی طرف مڑ گیا ہے، اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ سیدھا نہیں ہوتا، لہٰذا اس نفس کو دوسری طرف موڑ دو، یعنی اس سے کچھ مباح کام بھی چھڑاؤ، مباح کاموں کے چھڑانے کے نتیجے میں وہ نفس اعتدال پر آ جائے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے۔ اس لئے حضرات

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ابتداءً تم بالکل بھی غصہ مت کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ غصہ رفتہ رفتہ قابو میں آ جائے گا، اس کے بعد جب غصہ کو استعمال کروگے تو وہ صحیح جگہ پر استعمال ہوگا، غلط جگہ پر استعمال نہیں ہوگا۔ بہر حال! اسی غصہ کے بارے میں اور اس کو کم کرنے کے لئے حضرت والا نے کچھ تدبیریں بیان فرمائی ہیں، ان کی تھوڑی سی تشریح عرض کر دیتا ہوں۔

غصہ کا پہلا علاج، اپنے عیوب کو سوچنا

چنانچہ حضرت والا نے غصہ کا پہلا علاج یہ بیان فرمایا کہ:

بہ تکلف ضبط کر کے اپنے عیوب سوچنے لگا کیجئے،

انشاء اللہ اشتعال کم ہو جائے گا۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۰)

کسی صاحب نے حضرت والا کو خط میں لکھا تھا کہ میرے اندر اشتعال بہت پیدا ہوتا ہے اور ذرا سی بات پر غصہ آ جاتا ہے۔ اس کا علاج حضرت والا نے یہ تجویز فرمایا کہ جب غصہ آ رہا ہو اور کسی بات پر اشتعال ہو رہا ہو تو اس وقت غصہ کو بہ تکلف ضبط کر کے اپنے عیوب سوچا کریں، کیونکہ غصہ کے اندر تھوڑا سا عُجب یعنی اپنے آپ کو دوسرے سے بہتر سمجھنے کا پہلو ہوتا ہے اور دوسرے کو حقیر سمجھتا ہے، اسی وجہ سے غصہ کرتا ہے، لہٰذا اس کا علاج یہ فرمایا کہ اپنے عیوب کو سوچے کہ میرے اندر کیا کیا عیوب ہیں اور یہ سوچے کہ اس وقت جو غصہ آ رہا ہے، یہ بھی انہی عیوب کا ایک فرد ہے، اگر میں درست ہوتا تو مجھے اتنی شدت سے غصہ نہ آتا، اس طرح اپنے عیوب سوچنے سے غصہ اور اشتعال کم ہو جائے گا۔ البتہ اسکے لئے فکر کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ جس شخص کو فکر ہی نہیں

کہ کتنا غصہ آیا اور غصہ کے نتیجے میں میری زبان سے کیا بات نکل گئی، کیا فعل مجھ سے سرزد ہوگیا، تو ایسا مرض تو ناقابل علاج ہے۔ بہر حال! غصہ کے علاج کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنے اندر فکر پیدا کرو، جب انسان کے اندر فکر پیدا ہو جاتی ہے تو اس کے بعد جو علاج بتائے جاتے ہیں وہ کارگر ہوتے ہیں، اس لئے حضرت فرماتے ہیں کہ جب غصہ آئے تو اپنے عیوب کو سوچ لو تو انشاء اللہ غصہ کم ہو جائے گا۔

غصہ کا دوسرا علاج، مغضوب علیہ کو دور کر دینا

دوسرا علاج حضرت والا نے یہ ارشاد فرمایا کہ:

جس پر غصہ آئے، اس کے پاس سے فوراً خود ہٹ جائے
یا اس کو اپنے پاس سے ہٹا دے جیسا موقع ہو۔ (ایضا)

غصہ کی خاصیت یہ ہے کہ جس پر غصہ آتا ہے، اسی کے قریب جانے کی فکر کرتا ہے، اس سے غصہ کے اندر اور ترقی ہوتی ہے، اس لئے حضرت فرما رہے ہیں کہ جس پر غصہ آئے، اس کے پاس سے فوراً یا تو خود ہٹ جاؤ یا اس کو سامنے سے ہٹا دو، کیونکہ سامنے ہونے کی وجہ سے غصہ زیادہ آئے گا۔

حضور ﷺ سے یہ علاج کرنا ثابت ہے

یہ علاج خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہوں نے غزوہ اُحد کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا تھا، بعد میں اللہ

تعالیٰ نے حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام لانے کی توفیق دیدی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم میرے سامنے مت بیٹھا کرو، کیونکہ تمہارے سامنے آنے سے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم تازہ ہو جاتا ہے، اس کے نتیجے میں غصہ آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ جس پر غصہ آرہا ہے، اس کو اپنے سامنے سے ہٹا دو۔

غصہ کے وقت سزا مت دو

اسی طرح اگر اپنے سے چھوٹے پر جائز غصہ بھی آرہا ہو، مثلاً اپنی اولاد پر یا اپنے شاگرد پر غصہ آرہا ہو، تو اس اشتعال کی حالت میں نہ اس کو ڈانٹو اور نہ اس کو سزا دو، کیونکہ اشتعال کے وقت حدود پر قائم نہیں رہو گے، اس لئے اشتعال کے وقت معاملے کو ٹلا دو اور تھوڑا سا وقت گزار دو، یہاں تک کہ اشتعال ٹھنڈا پڑ جائے، اشتعال ٹھنڈا ہو جانے کے بعد اس کو اپنے پاس بلاؤ اور اس وقت اس کی غلطی بتاؤ، اس وقت اگر ڈانٹنے کی ضرورت ہو تو ڈانٹ بھی دو، اس وقت کی ڈانٹ چونکہ اشتعال کی حالت میں نہیں ہوگی، اس لئے وہ حد کے اندر رہے گی اور اشتعال کے وقت حد سے آگے بڑھنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

غصہ کا تیسرا علاج، عذاب الٰہی کا استحضار

غصہ کا تیسرا علاج حضرت والا نے یہ بیان فرمایا کہ:

''استحضار عذاب الٰہی کا کرے''

یعنی اللہ جل شانہ کے عذاب کا استحضار کرے۔ یہ علاج بھی حدیث شریف سے

ماخوذ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلام کو ڈانٹ رہے تھے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اس حالت میں دیکھا تو فرمایا:

للّٰہ أقدر علیك منك علیه

یعنی جتنی قدرت تمہیں اس غلام پر حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے، تم اس غلام کو تو سزا دے رہے ہو، اگر اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے پر آجائے تو تمہارا کیا بنے گا۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے استحضار سے غصہ میں کچھ کمی واقع ہوتی ہے اور اشتعال ٹھنڈا پڑتا ہے۔ آگے حضرت والا نے فرمایا کہ "اپنے گناہوں کو یاد کرکے استغفار کی کثرت کرنے لگے" یہ اسی پہلے علاج کا حصہ ہے جو اوپر بیان فرمایا کہ اپنے عیوب کو سوچا کرے اور استغفار کرے۔ بہر حال! حضرت نے اس ملفوظ میں غصے کے تین علاج بیان فرمائے، اگر کوئی شخص غصہ کے وقت ان پر عمل کرے تو انشاء اللہ وہ غصہ اس کے لئے مضر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۵۳

غصہ کے تقاضے پر عمل مت کرو

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر : ۵۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس نمبر ۵۳

غصّہ کے تقاضے پر عمل مت کرو

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ:

اگر آپ کو کوئی کچھ کہتا ہے اور اعتراض کرتا ہے تو تن
بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔

جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ:

مگر غصہ سے آگے انتقام تک مت بڑھنا ولو باللسان۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۰)

یعنی اگر غصہ آیا تو آنے دو، مگر اس کے تقاضے پر عمل مت کرنا اور انتقام مت لینا اگرچہ وہ انتقام زبان سے ہی کیوں نہ ہو، یعنی زبان سے بھی انتقام لینے کی فکر مت کرنا۔

معاف کرنا افضل ہے

شریعت نے بعض جگہ غصے کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے اور غصہ کرنا وہاں جائز اور مباح ہے، مثلاً حدود کے اندر رہتے ہوئے بدلہ لے لینا۔ (مگر تربیت کے لئے اور ناجائز حد تک پہنچنے سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے یہ مجاہدہ کرایا جاتا ہے کہ جائز انتقام بھی مت لو، گویا غصہ کے مقتضیٰ پر کسی وقت بھی عمل مت کرو اگرچہ حد کے اندر رہتے ہوئے انتقام لینا جائز ہے) لیکن افضل ہر حالت میں معاف کر دینا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ط

(سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴)

یہ ایسے لوگ ہیں جو نیک کاموں میں خرچ کرتے ہیں
ہر حال میں، فراغت میں بھی اور تنگی میں بھی اور غصہ کو
ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں۔

لہٰذا معاف کر دینا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں، اس لئے مبتدی سے کہا جاتا ہے کہ تم انتقام مت لو بلکہ صبر کرو اور جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، اس کو معاف کر دو، اس کے نتیجے میں تمہیں صبر کرنے کا ثواب الگ ملے گا اور معاف کرنے کا ثواب الگ ملے گا۔

بزرگوں کی مختلف شانیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "ارواح ثلاثہ" میں ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک مرتبہ اپنے شیخ سے کہا کہ حضرت! میں نے سنا ہے کہ صوفیاء اور اولیاء کی شانیں مختلف ہوتی ہیں، ان کے مزاج مختلف ہوتے ہیں اور ان کے رنگ مختلف ہوتے ہیں، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ان کی مختلف شانیں کیا ہوتی ہیں؟ ان کے شیخ نے پہلے تو یہ جواب دیا کہ یہ سب چھوڑو، تم کس چکر میں پڑ گئے، بس جو تمہارا کام ہے، اس کام میں لگو۔ اس نے اصرار کیا کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ دھلی میں قطب صاحب کا مزار ہے، اس کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد ہے، اس مسجد میں جاؤ،

اس میں تمہیں تین آدمی بیٹھے ذکر کرتے ہوئے نظر آئیں گے، تم جا کر ان تینوں کی کمر پر ایک ایک مکہ مار دینا اور پھر جو کچھ وہ کریں، وہ مجھے آکر بتانا۔

چنانچہ یہ صاحب اس مسجد میں گئے، دیکھا تو واقعی تین آدمی بیٹھے ہوئے ذکر کر رہے ہیں، ان صاحب نے جا کر پہلے ایک شخص کو پیچھے سے مکہ مارا، انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا کہ کس نے مارا اور کیوں مارا، بس اپنے ذکر کے اندر مشغول رہے۔ اس کے بعد دوسرے صاحب کے پاس گئے اور ان کو مکہ مارا تو وہ پیچھے مڑے اور ان کو بھی مکہ مارا اور پھر اپنے ذکر میں لگ گئے۔ جب تیسرے شخص کو مکہ مارا تو وہ پیچھے مڑے اور میرا ہاتھ سہلانے لگے کہ تمہارے ہاتھ میں چوٹ تو نہیں لگی۔

بدلہ لینے میں وقت کیوں ضائع کروں

اس کے بعد وہ صاحب اپنے شیخ کے پاس واپس آ گئے اور بتایا کہ میرے ساتھ بڑا عجیب وغریب معاملہ ہوا، وہ یہ کہ جب پہلے شخص کو مکہ مارا تو انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ہی نہیں۔ شیخ نے پوچھا کہ وہ کیا کر رہے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ ذکر کر رہے تھے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جب تم نے مکہ مار دیا تو پھر وہ کیا کرتے رہے؟ انہوں نے بتایا کہ وہ ذکر کرتے رہے۔ فرمایا کہ انہوں نے یہ سوچا کہ اگر کسی نے میری کمر پر مکہ مار دیا تو اب تو مار دیا، اب وہ مکہ واپس تو لوٹ نہیں سکتا، جو تکلیف پہنچنی تھی وہ پہنچ گئی، اب میں خواہ مخواہ بدلہ لے کر اور دوسرے کو تکلیف پہنچا کر اپنا وقت کیوں خراب کروں، جتنا وقت بدلہ لینے

میں صرف ہوگا، اگر وہ وقت میں ذکر میں لگا دوں تو اس سے جو ثواب اور جو فضیلت حاصل ہوگی، وہ بدرجہا بہتر ہے اس سے کہ میں انتقام لوں، کیونکہ انتقام لینے سے مجھے کیا حاصل ہوگا، اس لئے انہوں نے اس طرف توجہ ہی نہیں کی بلکہ اپنے کام میں لگے رہے۔

برابر کا بدلہ لے لیا

دوسرے صاحب جنہوں نے پلٹ کر تم سے بدلہ لیا، یہ بتاؤ کہ انہوں نے اتنا ہی زور کا مکہ مارا جتنے زور کا تم نے مارا تھا یا اس سے زیادہ زور کا مکہ مارا؟ اس نے کہا کہ انہوں نے اتنا ہی زور کا مارا جتنے زور کا میں نے مارا تھا۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ وہ صاحب ہیں جنہوں نے شریعت کے مطابق انتقام لیا اور اس آیت پر عمل کیا:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ

(سورۃ النحل، آیت ۱۲۶)

اور اگر تم بدلہ لو تو بدلہ اسی قدر لو جس قدر کہ تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

بدلہ لینے میں تمہارا فائدہ تھا

ان صاحب نے جو بدلہ لیا، وہ بھی تمہارے فائدے کے لئے لیا، اپنی نفسانی خواہش کی تکمیل کے لئے نہیں لیا۔ کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ

جب کسی اللہ کے بندے کو تکلیف پہنچائی جاتی ہے اور وہ اس کا انتقام نہیں لیتا بلکہ صبر کرتا ہے تو اس صبر کے نتیجہ میں یہ ہوتا ہے کہ جو زیادتی کرنے والا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا ہے، جس کو اردو کے محاورے میں "صبر پڑنا" کہا جاتا ہے، اور کسی اللہ والے کا صبر پڑنا بڑا خطرناک ہوتا ہے، اس لئے ان بزرگ نے سوچا کہ اگر میں نے صبر کیا تو کہیں اس کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے، لہٰذا انہوں نے بدلہ لے لیا۔

ایک اشکال

البتہ اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ بزرگ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہوتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ:

من آذیٰ لی ولیاً فقد آذنته بالحرب

یعنی جو شخص میرے ولی کو ایذاء اور تکلیف دے، میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے جبکہ دوسری طرف ان بزرگ نے زیادہ شفقت کرتے ہوئے اس تکلیف پر صبر کر لیا اور اس کو معاف کر دیا، لہٰذا وہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ مہربان اور شفیق ہو گئے!

اشکال کا جواب

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا

کہ دیکھو! اگر شیرنی کو کوئی شخص چھیڑے تو وہ درگزر کر جاتی ہے، لیکن اگر کوئی شیرنی کے بچے کو چھیڑے تو پھر شیرنی نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح بسا اوقات اللہ تعالیٰ اپنے حقوق میں ہونے والی کوتاہی کو معاف فرما دیتے ہیں اور درگزر فرما دیتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اللہ کے اولیاء کی شان میں گستاخی کرے تو اس کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتے۔ اس لئے فرمایا:

من آذیٰ لی ولیاً فقد آذنتہ بالحرب

اس حدیث پر کلام

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح بخاری میں لائے ہیں لیکن کوئی حدیث پوری بخاری شریف میں ایسی نہیں ہے جس کی سند پر محدثین نے اتنا زیادہ کلام کیا ہو جتنا کلام اس حدیث کی سند پر کیا ہے، یہاں تک کہ بعض محدثین نے یہ کہہ دیا کہ اس حدیث کو اپنی صحیح بخاری میں نقل کرنے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے غلطی ہوگئی ہے، اس لئے کہ یہ حدیث ان کے معیار پر پوری نہیں اترتی، لیکن اس کے باوجود اس حدیث کو اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ اس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ یہ حدیث بالکل موضوع اور بہت ضعیف ہے، البتہ امام بخاری کی شرائط پر پوری نہیں اترتی، لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ یہ ہے کہ بعض اوقات اپنی شرائط کو ان مقامات پر نظر انداز کر جاتے ہیں جہاں خارجی قرائن سے ان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ حدیث درست ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا جواب

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں ہیں اور دارالعلوم کے سب سے پہلے سرپرست تھے، جنہوں نے سنّت اور بدعت کے درمیان حد فاصل قائم کی، ایک مرتبہ وعظ فرما رہے تھے اور اس وعظ میں قوّالی کے خلاف بیان تھا اور بڑے زور وشور سے بیان ہو رہا تھا، وعظ کے دوران ایک صاحب کھڑے ہوگئے اور اس نے کہا کہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ قوالی ناجائز ہے اور حرام ہے لیکن حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ تو قوالی سنتے تھے۔ جواب میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت نظام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو دلیل معلوم ہوگی، ہمیں معلوم نہیں، ہمیں جو معلوم ہے ہم اس کے مکلّف ہیں۔ دیکھئے! ایک طرف تو قوالی کے خلاف اتنی جوشیلی تقریر ہو رہی ہے اور اسی دوران جب ایک بڑے بزرگ کا نام آ گیا تو اس طرح جواب دیا۔

بزرگوں کیلئے ثقیل کلام مت نکالو

بات دراصل یہ ہے کہ بزرگوں سے اختلاف جتنا چاہو کرلو، تمہیں اختلاف کرنے کا حق ہے، لیکن ان کے لئے زبان سے کوئی ثقیل کلمہ نہ نکالو، کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا کیا مقام ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو کیا درجہ عطاء فرمایا ہو۔ لہٰذا جس کے بارے میں شبہ بھی ہو کہ یہ اللہ والا ہے، اس کے خلاف

کوئی ثقیل کلمہ بھی زبان سے نہ نکالو۔

بہر حال! غصہ کرنے کا ایک محل ہے، وہ ہے جائز انتقام لینا، اس حد تک انسان غصہ کرسکتا ہے، لیکن پھر بھی معافی بہتر ہے اور خاص طور پر شروع میں تربیت کے لئے تو انسان کے لئے مناسب یہ ہے کہ جائز انتقام بھی نہ لے۔

غصہ آنا غیر اختیاری ہے

چنانچہ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

> سرعت غضب امر طبعی ہے، اختیار سے خارج ہے، اس پر ملامت نہیں، البتہ اس کے مقتضیٰ پر عمل جب کہ حدود سے تجاوز ہو جائے مذموم ہے۔
>
> (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۰)

یعنی غصہ کا آ جانا غیر اختیاری ہے اور جتنا درجہ غیر اختیاری ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ بھی نہیں۔ اس لئے کہ کوئی بھی ایسی چیز جو انسان کے اختیار سے باہر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ اور گرفت نہیں، گرفت ہمیشہ اس کام پر ہوتی ہے جس کو انسان اپنے اختیار اور قصد سے کرے، لہٰذا جو غیر اختیاری غصہ آ گیا اور طبیعت کے اندر ایک اوٹن پیدا ہوگئی، اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، لیکن اگر اس غصے کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہوئے کسی کے ساتھ زبان سے یا ہاتھ سے بدسلوکی کرو گے تو اس پر گرفت ہو جائے گی، لہٰذا جب تک غصہ کے مقتضیٰ پر عمل نہیں ہوگا اس وقت تک انشاء اللہ اس

غصہ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔

حد سے تجاوز کرنا مذموم ہے

لیکن عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جب غصہ آتا ہے اور اس غصے کے اندر تیزی ہوتی ہے تو اس تیزی کے نتیجے میں آدمی کے اندر ایک بجلی سی بھر جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں آدمی بعض اوقات ایسی حرکتیں کرتا ہے جو حدود سے تجاوز ہو جاتی ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت والا اس ملفوظ میں فرما رہے ہیں کہ ''سرعت غضب امر طبعی ہے اور اختیار سے خارج ہے، اس پر ملامت نہیں، البتہ اس کے مقتضیٰ پر عمل جب کہ حدود سے تجاوز ہو جائے، مذموم ہے۔''

غصہ کا علاج: ہمت کا استعمال

آگے اس غصہ کا علاج بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اور اس کا علاج بجز ہمت کے کچھ نہیں۔

(ایضاً)

مثلاً کسی پر غصہ آیا اور دل چاہا کہ میں اس کا منہ نوچ ڈالوں، یہ جو دل چاہ رہا ہے، اس دل چاہنے پر عمل نہ کرو اور اپنے آپ کو زبردستی کر کے اس سے روکو اور یہ تہیہ کر لو کہ میں اپنے اس غصہ کے تقاضے پر عمل نہیں کروں گا، عزم کرے اور ہمت کو کام میں لائے کہ چاہے دل اس کام کے کرنے کو کتنا ہی چاہ رہا ہو

لیکن میں یہ کام نہیں کروں گا۔ اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لیس الشدید بالصرعة

یعنی پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جس کو غصہ آرہا ہو اور اس وقت وہ اپنے نفس کو قابو میں کرے۔

ہمت کو کام میں لانے کی تدبیریں

بہر حال! غصہ کو قابو کرنے کے لئے اصل چیز تو "ہمت" ہے، البتہ اس ہمت کو کام میں لانے کے لئے کچھ تدبیریں معاون ہو جاتی ہیں، اگر وہ تدبیریں اختیار کرلی جائیں تو پھر ہمت میں پختگی آجاتی ہے اور آدمی غصہ کا مقابلہ کرلیتا ہے۔ ان تدبیروں کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا کہ:

> اس ہمت میں مغضوب علیہ سے فوراً دور چلا جانا اور اعوذ باللہ پڑھنا اور اپنی خطاؤں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے احتمال کو یاد کرنا، یہ بھی بہت معین ہے۔
>
> (ایضاً)

پہلی اور دوسری تدبیریں

پہلی تدبیر یہ بیان فرمائی کہ جس پر غصہ آرہا ہے، اس سے دور چلے جاؤ

یا اس کو اپنے سامنے سے دور کردو، اس سے غصہ کے اندر کمی آ جاتی ہے۔

دوسری تدبیر یہ بیان فرمائی کہ:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

پڑھنا، یہ قرآن کریم کا بتایا ہوا نسخہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ (سورہ الاعراف، آیت ۲۰۰)

یعنی جب شیطان کی طرف سے حملہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو اور پڑھو:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

غصہ کا ایک اور علاج: درود شریف پڑھنا

عربوں میں ایک بڑا اچھا دستور چلا آ رہا تھا، اب اس کا رواج کم ہو گیا ہے، وہ یہ کہ جب دو آدمیوں میں لڑائی ہو جاتی اور ایک سخت غصے میں ہوتا تو دوسرا اس سے کہتا کہ صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔ تجربہ یہ تھا کہ سامنے والے کو چاہے کتنا ہی غصہ آ رہا ہو، جب اس سے یہ کہا جاتا کہ "صَلِّ عَلَى النَّبِيِّ" تو وہ فوراً درود شریف پڑھتا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اور غصہ ختم ہو جاتا اور صلح ہو جاتی۔ یہ بہت اچھا رواج تھا، عربوں کی بداوت کے اندر ایسے اچھے رواج تھے، لیکن جوں جوں وہاں نئی تہذیب اور تمدن آ رہا ہے، یہ چیزیں رخصت ہوتی جا رہی ہیں، یہ بھی غصہ دور کرنے کی ایک اچھی تدبیر تھی۔

ہمت کو کام میں لانے کی تیسری تدبیر اللہ تعالیٰ کے غضب کو سوچنا

تیسری تدبیر یہ بیان فرمائی کہ اپنی خطاؤں اور اللہ تعالیٰ کے غضب کے احتمال کو یاد کرو کہ جتنا میں اس شخص پر غصہ کر رہا ہوں، میں کہیں زیادہ اس بات کا مستحق ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر غصہ کریں، اس لئے کہ میری خطائیں اور میرے گناہ بہت زیادہ ہیں، اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر غصہ کرنے لگیں تو میرا کیا حال ہو؟ یہ تدبیر بہت معین ہے۔

تکلّف کر کے نرمی اختیار کرو

آگے ارشاد فرمایا:

> اور نرمی وغیرہ مدت تک تکلف سے سوچ سوچ کر اختیار کرنی چاہئے، مدت کے بعد ملکہ ہوگا ہمت نہ ہارے۔
> (ایضاً)

یعنی باقاعدہ تکلف کر کے لوگوں کے ساتھ بات چیت میں نرم لہجہ اختیار کرو اور نرم برتاؤ کرنے کی مشق کرو اور مسلسل کرو، یہ نہیں کہ دو روز تین روز کرلیا اور پھر چھٹی ہوگئی، ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ تو جنم روگ ہے اور ساری زندگی اس پر عمل کرنا ہوگا۔ اس لئے ہر وقت اس کا دھیان رکھے اور ہمت نہ ہارے، البتہ اس طرح کرتے کرتے کچھ عرصہ گزر جائے گا تو اس کے بعد ملکہ پیدا ہو جائے گا اور پھر غصہ جاتا رہے گا اور غصہ کے مواقع پر بھی غصہ نہیں آئے گا۔

غصہ کے وقت کی سات تدبیریں

آگے ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ:

جس وقت غصہ آوے، امور ذیل کی پابندی کریں:

(۱) یہ خیال کریں کہ میں بھی حق تعالیٰ کا خطاوار ہوں، اگر وہ بھی اسی طرح غصہ کریں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہو۔

(۲) اگر میں اس کو معاف کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو معاف کر دیں گے۔

(۳) اس وقت بے کار نہ رہیں، فوراً کسی کام میں لگ جائیں، خصوصاً مطالعہ کتب میں۔

(۴) اس جگہ سے ہٹ جائیں۔

(۵) ''اعوذ باللہ'' پڑھنے کی کثرت کریں۔

(۶) پانی پی لیں۔

(۷) وضو کر لیں۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۱)

اس ملفوظ میں حضرت والا نے غصہ دور کرنے کی چند تدابیر بیان فرمائی ہیں۔

میں بھی اللہ تعالیٰ کا خطاوار ہوں

پہلی تدبیر یہ ہے کہ اس وقت یہ سوچے کہ میں بھی اللہ تعالیٰ کا خطاوار

ہوں، جس طرح میں اس شخص پر غصہ کر رہا ہوں، اگر اللہ تعالیٰ بھی میری خطاؤں کی وجہ سے میرے اوپر غصہ کریں تو میرا کہاں ٹھکانہ ہوگا؟ یہ سوچنے سے وہ غصہ جاتا رہے گا۔

اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دیں گے

دوسری تدبیر یہ بیان فرمائی کہ اس وقت آدمی یہ سوچے کہ میں جس شخص پر غصہ کر رہا ہوں، اگر میں اس کو معاف کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ مجھ کو معاف فرما دیں گے، اگر میں نے انتقام اور بدلہ لے لیا تو مجھے کیا فائدہ ہوگا؟ لیکن اگر میں نے معاف کر دیا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ مجھے آخرت میں معاف کر دیں تو اس میں سے کون سا سودا نفع کا ہے؟ ظاہر ہے کہ دوسرا سودا نفع بخش ہے۔

ایک صحابیؓ کے معاف کرنے کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بہت غصے میں آئے اور کہا کہ فلاں شخص نے میرا دانت توڑ دیا ہے، میں اس سے قصاص لوں گا اور بدلہ میں اس کا دانت توڑوں گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو سمجھایا کہ اس کا دانت توڑنے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا، تم پیسے لے لو اور صلح کر لو۔ اس نے کہا کہ میں صلح نہیں کرتا، میں تو اس کا دانت توڑوں گا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اچھا اس کا دانت توڑ لے، شرعاً تمہیں حق ہے۔ جب وہ دانت توڑنے کے

ارادے سے اس کی طرف چلا تو غالباً حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو روک لیا اور اس سے فرمایا کہ تم اس کا دانت توڑنے تو جا رہے ہو، لیکن ایک بات سنتے جاؤ، اس نے کہا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اب تک تو تم مظلوم ہو، لیکن اگر تم نے دانت توڑتے ہوئے زیادہ زور کی چوٹ مار دی تو اس کے نتیجے میں تم ظالم بن جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تمہاری پکڑ ہو جائے گی، اور اگر تم اس کو معاف کر دو گے تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص ہمارے بندے کی کسی زیادتی کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو معاف فرمائیں گے جب اس کو معافی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی۔ اس شخص نے پوچھا کہ کیا آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی ہے؟ ان صحابیؓ نے جواب دیا جی ہاں! میں نے خود یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے اس کو معاف کر دیا۔

اب کہاں تو وہ شخص جوش و خروش میں تھا، صلح کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، پیسہ لینے پر تیار نہیں تھا، معاف کرنے پر تیار نہیں تھا، بلکہ اس بات پر مصر تھا کہ دانت توڑوں گا، لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف سن لی تو سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، یہ ہے مؤمن کی شان۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنا آسان اور سیدھا راستہ بتا دیا کہ اگر تم معاف کر دو گے تو آخرت میں تمہاری معافی ہو جائے گی۔

کسی کام میں لگ جاؤ

اس ملفوظ میں تیسری تدبیر یہ بتائی کہ اس وقت بیکار نہ رہیں، یعنی انسان کو جب غصہ آ رہا ہو تو وہ فارغ نہ بیٹھے بلکہ کسی نہ کسی کام میں لگ جائے، خصوصاً مطالعہ کتب میں مشغول ہو جائے۔ چوتھی تدبیر یہ ہے کہ اس جگہ سے ہٹ جائیں۔ پانچویں تدبیر یہ ہے کہ ''اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم'' پڑھنے کی کثرت کریں۔ چھٹی تدبیر یہ ہے کہ غصے کے وقت پانی پی لیں۔ ساتویں تدبیر یہ ہے کہ غصے کے وقت وضو کر لیں۔

غصہ دور کرنیکی ایک اور تدبیر: اپنے کو پستی کی طرف لیجانا

ایک اور تدبیر یہ ہے کہ اگر آدمی غصہ کے وقت کھڑا ہوا ہے تو بیٹھ جائے اور اگر بیٹھا ہوا ہے تو لیٹ جائے، کیونکہ غصہ دماغ کی طرف چڑھتا ہے اور طالب علو ہے، چنانچہ جس شخص کو غصہ آتا ہے تو وہ اگر لیٹا ہوا ہے تو بیٹھ جائے گا اور اگر بیٹھا ہوا ہے تو کھڑا ہو جائے گا اور اگر کھڑا ہے تو چلنا شروع کر دے گا، یہ غصہ کی خاصیت ہے۔ لہٰذا اس غصے کا علاج بالضد کرو، وہ یہ کہ اگر غصے کے وقت تم کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ اور اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ یہ تمام علاج ہیں، ان علاجوں پر عمل کرنے سے انشاء اللہ ہمت پیدا ہوگی اور ہمت کے ذریعہ غصہ پر قابو پانا آسان ہوگا۔

غصہ کو قابو کرنے کے لئے اصل چیز ''ہمت'' ہی ہے، لہٰذا چاہے تم پانی

پی لو یا چاہے اعوذ باللہ پڑھ لو، جب تک دل میں تحمل کا ارادہ ہی نہیں کرو گے اور عزم اور ہمت سے کام نہیں لو گے تو اس وقت تک کچھ نہیں ہوگا۔ بہر حال! اپنی طرف سے یہ عزم اور ہمت کرو کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے، غصے کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کروں گا، باقی یہ تمام تدابیر اس ہمت کے لئے معاون بن جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس غصہ کو ہمت کے ذریعہ قابو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۵

غصّہ کو قابو میں کرنے کا طریقہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر : ۵۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غصّہ کو قابو میں کرنے کا طریقہ

مجلس نمبر ۵۴

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ!

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے غصہ کے بارے میں ایک اصولی بات ایک ملفوظ میں ارشاد فرمائی ہے، وہ یہ کہ:

غصہ میں جوش کا دفعتًا آنا تو غیر اختیاری ہے، اس پر ملامت نہیں، لیکن بعد کو اس پر قائم رہ کر اس کے مقتضٰی پر عمل کرنا اختیاری ہے اور اختیاری فعل کا ترک بھی اختیاری ہے، پس اس کے مقتضٰی پر عمل نہ کرنا اختیاری ہے

اور بار بار اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کرنے سے تقاضا جوش
کا بھی مضمحل ہو جائے گا۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۱)

جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ غصہ آنے پر کوئی مؤاخذہ نہیں، لیکن اس غصے کے تقاضے پر عمل کرتے ہوئے کسی کو ڈانٹ دیا، کسی کو جھڑک دیا، کسی کو مار دیا، اب اس پر مؤاخذہ ہوگا۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ اس غصے کا علاج ہی یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اس کے تقاضے پر عمل نہ کرو، خواہ غصے کے اندر کتنا ہی جوش آ رہا ہو، لیکن اس جوش کی بنیاد پر کوئی بات زبان سے نہ نکالے، کوئی قدم آگے نہ بڑھائے بلکہ اس تقاضے کو دبائے، اور بار بار اس تقاضے کو دبائے گا تو رفتہ رفتہ اس جوش میں بھی کمی آ جائے گی اور غصے کا جو اُبال ہوتا تھا وہ بھی کم ہو جائے گا۔ غصہ کا علاج ہی یہی ہے کہ جتنا اس غصے کو پیو گے، اتنا ہی یہ قابو میں آئے گا اور جتنا اس غصے کے تقاضے پر عمل کرو گے اتنا ہی اس غصے میں اضافہ ہوگا۔

غصے کا گھونٹ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ اللہ جل شانہ کو انسان کا کوئی گھونٹ پینا اتنا محبوب نہیں ہے جتنا غصے کا گھونٹ پینا محبوب ہے۔ یعنی پانی کا گھونٹ پینا، شربت کا گھونٹ پینا، دودھ کا گھونٹ پینا سب جائز ہے، لیکن غصے کا گھونٹ پینا محبوب ہے، اس لئے کہ غصہ کا گھونٹ پینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ جل شانہ کے ڈر سے اور اس کی عظمت کے تصور سے اپنے غصے کو دبائے اور اس کو پی جائے اور اس غصے کے تقاضے کو کچل دے اور اس کی خواہش کو پورا نہ کرے، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بے انتہا محبوب ہے۔

دل توڑنے کیلئے ہے

یہی مجاہدہ درحقیقت مطلوب ہے، جب اس دل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاطر چوٹیں پڑتی ہیں تو پھر یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ کی تجلی گاہ بن جاتا ہے ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے کہ یہ آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

جتنا یہ دل ٹوٹے گا، اتنا ہی یہ دل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں محبوب ہوتا چلا جائے گا، اس دل پر جتنی چوٹیں پڑیں گی، اتنی ہی اس دل پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوگا، اللہ تعالیٰ نے دل کے اندر جو خواہشات پیدا کی ہیں، یہ اسی لئے پیدا کی ہیں تاکہ ان کو توڑا جائے، اس لئے نہیں ہیں کہ ان پر عمل کیا جائے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حفت الجنة بالمكاره

یعنی جنت کو مکروہات سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ مکروہات ان کاموں کو کہا جاتا ہے جن کو دل پسند نہیں کر رہا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ان پر عمل کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں دل پر چوٹ مار رہا ہے، مثلاً غصہ آیا لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر اس غصے کو پی گیا، یا مثلاً دل میں شہوت کی نظر ڈالنے کا تقاضہ پیدا ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ کی خاطر نظر جھکالی، ان کاموں کے نتیجے میں دل کی خواہشات کو کچلا جارہا ہے، اس کچلنے کے نتیجے میں یہ دل اللہ تعالیٰ کی تجلی گاہ بن جاتا ہے۔

نفس کی خواہشات کو کچل دو

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ایک مرتبہ یہ طے کرلے کہ:

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں برباد ہوں
اب تو اس دل کو بنانا ہے ترے قابل مجھے

آدمی یہ عزم کرلے کہ دل میں جتنی خواہشات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو رہی ہیں، ان کو کچلنا ہے اور ان کو پامال کرنا ہے اور پامال کرنے کے نتیجے میں ان پر قابو حاصل کرنا ہے۔ اور جب بندہ ایک مرتبہ یہ کام کرلیتا ہے اور اپنی خواہشات کو کچلتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خواہشات مضمحل ہوجاتی ہیں اور کمزور پڑ جاتی ہیں۔ یاد رکھو! یہ خواہشات مرتے دم تک ختم نہیں ہوں گی بلکہ باقی رہیں گی، لیکن ان کے جوش وخروش میں اور ان کی شدّت میں کمی آجاتی ہے۔

حلاوت ایمانی نصیب ہوتی ہے

اور جب اس دل پر بار بار چوٹ پڑنے کے نتیجے میں اس کی خواہشات کمزور پڑ جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ حلاوت ایمان عطا فرمادیتے ہیں اور اپنی معرفت عطا فرماتے ہیں اور اس حلاوت ایمان اور معرفت کی جو لذّت حاصل ہوتی ہے، اس کے مقابلے میں خواہشات کی لذّت ہیچ در ہیچ ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہم سب کو حلاوت ایمان اور اپنی معرفت عطا فرمادے۔ آمین۔ اس

حلاوت کے آگے گناہوں کی اور خواہشات کی لذّت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

یہ حلاوت مُفت نہیں ملتی

لیکن یہ حلاوت مُفت میں نہیں ملتی بلکہ پہلے ان خواہشات نفس پر چوٹ مارتے رہو، مارتے رہو، اور چوٹ مارنے سے شروع شروع میں بڑی تکلیف ہوگی، بڑی مشقت ہوگی، لیکن اس مشقت کو برداشت کر کے چوٹیں مارتے رہو، مارتے رہو، رفتہ رفتہ یہ دل ٹوٹ ٹوٹ کر اللہ تعالیٰ کی تجلّی گاہ بن جائے گا۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت خوبصورت شعر پڑھا کرتے تھے کہ

یہ کہہ کے کاسہ ساز نے پیالہ پٹک دیا
اب اور کچھ بنائیں گے اس کو بگاڑ کے

جس ذات نے بڑا خوبصورت پیالہ بنایا، اسی ذات نے یہ کہتے ہوئے اس پیالہ کو پٹک دیا کہ اب اس کو بگاڑ کر اور کچھ بنائیں گے۔ اس دل پر چوٹیں ماریں، اس پر ہتوڑے چلائے، یہ سب کیوں کیا، تاکہ اس کو بگاڑ کر اور کچھ بنائیں گے۔

برباد دل پر تجلّیات کا نزول

کسی نے اس پر بڑا خوبصورت شعر کہا ہے کہ:

بتانِ مہوش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
جسے برباد کرتے ہیں اسی کے دل میں رہتے ہیں

لہٰذا خواہشات کو کچل کچل کر جب دل کو برباد کر دیا جاتا ہے تو اس دل پر اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال ہوتا ہے اور ان کی تجلیات ظاہر ہوتی ہیں۔

دل پر ذرا نشتر لگایئے

حضرات صوفیاء کرام اور اولیاء کرام، ان سے بھی آگے صحابہ کرامؓ، ان سے بھی آگے انبیاء کرام علیہم السلام، ان کے جو قلوب مجلّٰی مزکّٰی مصفّٰی ہوتے ہیں، وہ بھی اسی طرح ہوتے ہیں کہ یہ حضرات اپنی خواہشات کو توڑتے ہیں اور ان کو کچلتے ہیں، کیونکہ جب خواہشات کو کچلا جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس دل کو مجلّٰی مزکّٰی بنا دیتے ہیں، اس دل میں پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا نور آتا ہے، اس کے بعد پھر ان گناہوں کی خواہشات مضمحل ہو جاتی ہیں اور ان کا جوش وخروش ماند پڑ جاتا ہے، مگر اس کے لئے ابتداء میں ان خواہشات سے کشتی لڑنی پڑتی ہے۔

میں نے بھی اسی موضوع پر ایک شعر کہا تھا کہ:

کتنے غنچے مضطرب ہیں دل میں کھلنے کیلئے

اپنے ہاتھوں سے ذرا نشتر لگا کر دیکھئے

اس دل پر جتنے نشتر لگاؤ گے، اتنے ہی غنچے کھلیں گے، اتنے ہی اس میں کمالات پیدا ہوں گے اور اتنے ہی اس میں انوارات اور تجلیات حاصل ہوں گی۔

رفتہ رفتہ یہ غصہ قابو میں آ جائے گا

اس ملفوظ میں حضرت والا یہی فرما رہے ہیں کہ غصہ کا علاج یہی ہے کہ اگر غصہ آ گیا تو آنے دو، لیکن اس کے بعد دل میں جو یہ تقاضہ پیدا ہوا کہ اٹھ

کر اس کو ایک تھپڑ ماروں یا اس کو گالی دوں یا اس کو بُرا بھلا کہوں، اس تقاضے کو زبردستی دبا جاؤ اور یہ سوچو کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے اس تقاضے کو دبا رہا ہوں تو پھر اس غصے کو پامال کرنے میں بھی لذت اور حلاوت حاصل ہوگی انشاء اللہ اور جتنا یہ عمل کرتے جاؤ گے، اتنا ہی یہ نفس قابو میں آتا جائے گا۔

انسان کا نفس دودھ پیتے بچے کی طرح ہے

قصیدہ بردہ میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

النفس كالطفل إن تهمله شب على

حب الرضاع وإن تفطمه ينفطم

یعنی انسان کا نفس چھوٹے بچے کی طرح ہے جو ابھی دودھ پیتا ہے، وہ بچہ کبھی یہ چاہے گا کہ میں دودھ چھوڑ دوں؟ نہیں، کیونکہ اس کو تو دودھ پینے کی عادت پڑی ہوئی ہے، اس لئے وہ ماں کا دودھ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے، دودھ پیتے پیتے دو سال ہو چکے ہیں، اب اگر ماں باپ یہ سوچیں کہ اگر اس بچے کا دودھ چھڑائیں گے تو اس کو بہت تکلیف ہوگی، روئے گا، چلّائے گا، خود بھی پریشان ہوگا اور ہمیں بھی پریشان کرے گا، لہٰذا دودھ نہ چھڑاؤ، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بچہ جوان ہو جائے گا اور دودھ پینے کی عادت نہیں جائے گی۔ لیکن اگر ماں باپ اس کا دودھ چھڑانے کی کوشش کریں گے تو وہ بچہ دودھ چھوڑ بھی دے گا، ایک دن، دو دن، تین دن تک روئے گا، چلّائے گا، پریشان کرے گا، لیکن بالآخر چھوڑ دے گا، ہر بچے کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔

نفس کو بے مہار مت چھوڑو

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کا نفس بھی بچے کی طرح ہے، اگر تم نے اس نفس کو بے مہار چھوڑ دیا کہ جو خواہش ہو رہی ہے، اس پر عمل کر رہے ہو اور اس کی ہر خواہش پوری کر رہے ہو تو یہ نفس تمہیں ہلاکت کے گڑھے میں لے جا کر گرا دے گا اور تم کبھی بھی گناہوں سے نجات نہیں پا سکو گے، لیکن اگر تم نے اس کو قابو کر لیا اور اس سے زبردستی گناہ چھڑانے کی کوشش کر لی تو یہ نفس گناہ چھوڑ بھی دے گا، بات ساری کوشش کی ہے۔ یہی معاملہ غصے کا ہے کہ اس کے تقاضے کو دباتے رہو تو رفتہ رفتہ غصہ کا جوش مضمحل ہو جائے گا۔

غصہ کا بہترین علاج

بعض اوقات غصے کو قابو میں کرنے کے لئے اور علاج بھی مفید ہو جاتے ہیں، لیکن وہ علاج بڑے سخت ہیں، وہ علاج حضرت والا نے اس ملفوظ میں بیان فرمائے ہیں، فرمایا کہ:

> اگر طبعی طور سے غصہ زیادہ آ جاتا ہو اور ذرا سی بات پر
> حد سے زیادہ غصہ آ جاتا ہو کہ اس وقت عقل نہ رہتی ہو
> تو اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ جس پر غصہ کیا جائے،
> غصہ فرو ہونے کے بعد مجمع میں اس کے سامنے ہاتھ
> جوڑے، پاؤں پکڑے، بلکہ اس کے جوتے اپنے سر پر

رکھ لے، ایک دو بار ایسا کرنے سے نفس کو عقل آ جائے گی۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۱)

یعنی جس شخص پر بہت زیادہ غصہ کر لیا اور حدود سے تجاوز کر گئے تو اس کا ایک علاج یہ ہے کہ جب غصہ ختم ہو جائے تو مجمع میں اس سے معافی مانگے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دو، اس کے سامنے ہاتھ جوڑے، اس کے پاؤں پکڑے، اس کے جوتے سر پر رکھ لے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا جب اگلی مرتبہ غصہ کا موقع آئے گا تو اس وقت نفس یہ سوچے گا کہ یہ تو اچھی خاص مصیبت ہے، پہلے تو صرف غصے کو پینا ہی تھا، اب تو مجمع کے سامنے ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اس ڈر سے غصے کے تقاضے کی شدت میں کمی آ جائے گی، ایک دو بار ایسا کرنے سے انشاء اللہ نفس کو عقل آ جائے گی۔

اپنی ماں کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگو

میرے ایک دوست ہیں جو مغلوب الغضب ہیں، غصے کے بہت تیز ہیں، یہاں تک کہ اگر ماں نے بھی کچھ کہہ دیا تو ماں پر غصہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مجھ سے بار بار پوچھتے رہتے ہیں کہ فجر کی نماز میں کیا ذکر کروں، ظہر کی نماز میں کیا تسبیحات پڑھوں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم کچھ مت کرو، پہلا کام یہ کرو کہ ماں کے پاس جا کر اس کے پاؤں پکڑ کر معافی مانگو اور کہو کہ مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے معاف کر دو۔ میری یہ بات سن کر تعجب سے کہنے لگے کہ اچھا حضرت! میں معافی مانگوں، یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو تمہیں کرنا ہوگا، جا کر معافی مانگو اور پاؤں پکڑو اور یہ کام سب بہن بھائیوں کے

سامنے کرو، کہنے لگے کہ بڑا مشکل ہے۔ میں نے کہا کہ کچھ بھی ہو جائے، لیکن تم یہ کام کرو۔ ان کو یہ عمل بہت شاق گزر رہا تھا کہ میں اپنے تمام بہن بھائیوں کے سامنے ماں سے معافی مانگوں۔ لیکن انہوں نے جا کر یہ کام کیا، جب واپس آئے تو مجھ سے کہا کہ کیا بتاؤں، اس وقت میرے سینے پر سانپ لوٹ گئے، آرے چل گئے۔ میں نے کہا کہ میرا بھی یہی مقصد تھا۔ جب دو چار مرتبہ یہ کام ان سے کرایا تو طبیعت اعتدال پر آ گئی۔

بہر حال! انسان کا نفس ان کاموں کو سخت محسوس کرتا ہے، لیکن بعض اوقات یہی کرنا پڑتا ہے، جب انسان یہ کڑوی گولی نگل لیتا ہے تو اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے شفا ہوتی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس مرض سے نجات عطا فرما دیتے ہیں۔

شیخ کی نگرانی میں علاج کرے

مگر یہ کام بھی کسی شیخ کی نگرانی میں کرنے چاہئیں، خود اپنی رائے سے نہ کرے، بعض اوقات اپنی رائے سے کرنے سے بھی نقصان ہو جاتا ہے اور الٹا اثر پڑ جاتا ہے، کیونکہ شیخ جانتا ہے کہ کتنی خوراک دوا دی جائے، اگر ضرورت سے زیادہ دوا دیدی تو مصیبت ہو جائے گی اور اگر کم دوا دیدی تو فائدہ نہیں کرے گی، اس لئے شیخ کے ذریعہ یہ علاج کرنا چاہئے۔

غصہ کا ایک اور علاج

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غصہ کے علاج کے لئے اس بات کا کثرت سے استحضار کرنا بھی مفید ہوتا ہے، وہ بات یہ ہے کہ:

تجربہ کر کے دیکھا گیا ہے کہ غصہ روکنا ہمیشہ اچھا ہوا
اور جب اس کو جاری کیا گیا تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہوا
اور دل کو قلق بھی ہمیشہ ہوا۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۲)

یعنی زمانہ ماضی کو یاد کرو کہ جتنی مرتبہ غصے کو روکا تو اس کا انجام اچھا ہی ہوا، غصہ روکنے سے نقصان نہ ہوا، اور جب بھی غصہ کیا اور اس کے تقاضے پر عمل کیا تو بکثرت ایسا ہوا کہ بعد میں ندامت اور شرمندگی ہوئی، اگر آدمی کے اندر ذرا بھی سلامتی طبع ہو تو غصہ کرنے کے بعد قلب میں ظلمت محسوس ہوتی ہے اور کدورت اور ندامت محسوس ہوتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی کہ:

مادخل الرفق فی شئی اِلاّ زانه
وما نزع من شئی الا شانه

یعنی نرمی جس چیز میں بھی داخل ہو جائے، اسے زینت بخشے گی اور جس چیز سے بھی نکال دی جائے تو اسے عیب دار بنا دے گی۔ لہٰذا نرمی جہاں بھی ہوگی، زینت کا سبب ہوگی، اس لئے جب غصہ کرنے سے بکثرت نقصان ہوتا ہے اور ندامت ہوتی ہے اور غصہ نہ کرنے سے نہ نقصان ہوتا ہے اور نہ ہی ندامت ہوتی ہے تو پھر آدمی کو وہی کام کرنا چاہئے جس سے آدمی کو ندامت نہیں ہوتی۔

غصہ کے وقت بچے کو نہیں مارنا چاہئے

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

غصے میں بچوں کو ہرگز نہ مارا جائے (چاہے استاذ ہو یا

باپ ہو) بلکہ غصہ فرو ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دی جائے، اور بہتر سزا یہ ہے کہ بچوں کی چھٹی بند کر دی جائے، اس کا ان پر کافی اثر ہوتا ہے، ملّا جی مارنے میں اس واسطے آزاد ہیں کہ ان سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں، بچے تو باز پرس کے اہل نہیں اور والدین کا مقولہ ہے کہ ہڈی ہماری اور چمڑا میاں جی کا۔

مگر یاد رکھو جس حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو، اس کا مطالبہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، یہاں تک کہ اگر کافر ذمی پر کوئی حاکم ظلم کرے تو حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف سے مطالبہ کریں گے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۳)

بچوں کو مارنا بڑا خطرناک معاملہ ہے

بچوں کو مارنے کا معاملہ بڑا خطرناک ہے۔ ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اور گناہوں کی معافی توبہ کے ذریعہ ممکن ہے، لیکن اگر بچوں پر ظلم کیا جائے تو اس کی معافی کا معاملہ بھی بڑا مشکل ہے، کیونکہ یہ حق العبد ہے اور حق العبد صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتا جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے جس بندے کی حق تلفی کی گئی ہے، اور یہاں پر بندہ نابالغ ہے اور نابالغ کی معافی بھی معتبر نہیں، حتیٰ کہ اگر وہ نابالغ زبان سے بھی یہ کہہ دے کہ میں نے معاف کیا، تب بھی وہ معافی معتبر نہیں،

اس لئے اس کی معافی بڑی مشکل ہے، لہٰذا بچوں کو مارنے اور ان پر سختی کرنے میں ڈرتے رہنا چاہئے۔

مدارس میں بچوں کے مارنے پر پابندی

ہمارے مدارس کے جو قاری صاحبان ہیں وہ اس کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو عافیت عطا فرمائے۔ آمین۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اصول بنا دیا تھا کہ مکتب میں کسی قاری صاحب کو مارنے کی اجازت نہیں تھی، جب کوئی قاری صاحب پٹائی کرتے تو آپ اس سے باز پرس فرماتے اور کبھی سزا بھی دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے یہاں تک فرما دیا کہ اب اگر مجھے پتہ چلا کہ کسی قاری صاحب نے بچے کو مارا ہے تو میں مسجد کے صحن میں قاری صاحب کو کھڑا کر کے اسی بچے سے پٹواؤں گا جس کو مارا ہے۔ یہ سختی اس لئے فرمائی کہ یہ معاملہ بڑا خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

غصہ ختم ہونے کے بعد سوچ سمجھ کر سزا دو

اس میں کوئی شک نہیں کہ بچوں کو پڑھانے والے استادوں کا کام بہت مشکل ہے، بچوں کو قابو کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے اور کبھی نہ کبھی مارنے کی نوبت آہی جاتی ہے۔ اگر کبھی ایسا ہو کہ کوئی اور علاج کارگر نہ ہو رہا ہو اور پٹائی کی نوبت آہی جائے تو اس کے بارے میں حضرت فرما رہے ہیں کہ غصے کی حالت میں نہ مارو بلکہ اس وقت طرح دے جاؤ اور جب غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو اس وقت سوچ سمجھ کر سزا دو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اتنی ہی سزا دو گے جتنی سزا کی

ضرورت ہوگی اور حد سے تجاوز نہیں کرو گے، اور اگر غصے میں مارنا شروع کردو گے تو جہاں ایک طمانچہ کی ضرورت تھی، وہاں دس لگ جائیں گے، اس کی وجہ سے ایک تو فی نفسہٖ گناہ ہوا کہ جتنی مارنے کی ضرورت تھی، اس سے زیادہ مار دیا۔ دوسرے یہ کہ نقصان ہوا، کیونکہ جو چیز حد سے زیادہ ہوتی ہے وہ حقیقت میں نقصان دہ ہوتی ہے، تیسرے یہ کہ بعد میں ندامت بھی ہوئی۔

اس لئے اس ملفوظ میں حضرت نے بڑے گر کی بات فرما دی کہ اس وقت سزا دو جب غصہ ٹھنڈا پڑ جائے، جب طبیعت میں اشتعال ہو رہا ہو، اس وقت سزا مت دو۔

اختتامیہ

غصہ کے بارے میں یہ چند اصول ہیں جو حضرت والا نے بیان فرما دیے اور یہ بھی بتا دیا کہ کونسی چیز مضر ہے اور کونسی چیز مضر نہیں اور اس غصے کے شر سے بچنے کا کیا طریقہ ہے، اب ہر انسان کو اپنے حساب سے ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے، اور عمل کرنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ کسی شیخ سے اس نیت سے رابطہ رکھے کہ مجھے ان رذائل کی اصلاح کرانی ہے اور پھر ان سے مشورہ لیتا رہے، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ رفتہ رفتہ ان رذائل کو دور فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمارے رذائل کو دور فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۵۵

حسد اور اس کا علاج

(۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۵۵
حسد اور اس کا علاج

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔ اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

گزشتہ تین دن سے غصہ کا بیان چل رہا تھا، اب آگے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''حسد'' کا بیان شروع فرما رہے ہیں، یہ حسد بھی بڑی خراب باطنی بیماری ہے، یہ بڑی خطرناک بھی ہے اور اس کا چلن بھی بہت زیادہ ہے، یعنی یہ بیماری کثرت سے پیدا ہو جاتی ہے، خاص طور پر ہمارے طبقے میں یعنی طالب

علموں کے طبقے میں یہ بیماری بہت زیادہ ہے، لہٰذا بہت زیادہ اہتمام کے ساتھ اس کے ازالے کی فکر کرنی چاہئے۔

تین چیزیں اور ان کا حکم

چنانچہ حسد کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جو ملفوظات ہیں، وہ ایک ایک پڑھ لیتے ہیں اور ساتھ ساتھ اس کی تشریح بھی ہو جائے گی۔ ایک ملفوظ میں حضرت والا نے فرمایا کہ:

> ایک تو کیفیت انسانیہ ہے جس میں انسان ''معذور'' ہے، ایک عمل ہے مقتضیٰ پر، اس میں انسان مازور (گناہ گار) ہے، ایک مخالفت ہے اس مقتضیٰ کی، اس میں انسان ''ماجور'' ہے، یعنی حسد کے غلبہ سے کسی کی مذمت کا تقاضہ ہو تو اس کی مدح کرو، اگر اس سے اعراض کو دل چاہے تو اس سے ملو، اس کی تعظیم کرو، اس کو ابتداء بالسلام کرو اور اس کے ساتھ احسان کرو۔
>
> (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۳)

حسد کس کو کہتے ہیں؟

حسد کے تمام مباحث کو اس مختصر سے ملفوظ میں سمیٹ دیا، سب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ حسد کس کو کہتے ہیں؟ ''حسد'' اسے کہتے ہیں کہ دوسرے کسی شخص کو جو اچھائی حاصل ہے، اس کی اچھائی سے رنجیدہ ہو کر اس کے زوال کی تمنا کرنا۔

حسد کی مثالیں

مثلاً میرا ایک ہم جماعت ہے، ہم دونوں ایک ساتھ پڑھتے ہیں، میرا ساتھی امتحان میں اول آجاتا ہے، اس کے نمبر زیادہ آتے ہیں، اب میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اس کے نمبر کیوں زیادہ آتے ہیں؟ وہ مجھ سے کیوں آگے بڑھ گیا؟ اب دل میں یہ خواہش ہے کہ اس کے نمبر کم آئیں، وہ آئندہ اوّل پوزیشن حاصل نہ کرسکے؛ چاہے میں پوزیشن حاصل کروں یا نہ کروں، اس سے کوئی بحث نہیں، لیکن یہ اوّل نہ آئے۔ یہ خیال اور جذبہ ''حسد'' ہے۔

یا مثلاً ایک شخص بڑا مالدار ہے، اب آپ کے دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ اس کے پیسے کم ہو جائیں، اس کی آمدنی کم ہو جائے، یہ جذبہ ''حسد'' ہے۔
یا مثلاً ایک شخص کی عزت اور شہرت ہے، لوگ اس کی طرف زیادہ رجوع کرتے ہیں، اب دل میں یہ کڑھن ہو رہی ہے کہ لوگ اس کی طرف کیوں مائل ہیں؟ اور دل میں یہ خیال آرہا ہے کہ اس کی عزت اور شہرت ختم ہو جائے، یہ ''حسد'' ہے۔

رشک کرنا جائز ہے

ایک ''غبطہ'' ہوتا ہے، جس کو اردو میں ''رشک'' کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب دوسرے شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھی تو خیال آیا کہ اس شخص کے پاس یہ نعمت ہے، اللہ تعالیٰ یہ نعمت مجھے بھی عطا فرمادے اور اس کے پاس بھی یہ نعمت رہے۔ مثلاً اس کی صحت اچھی ہے، اللہ تعالیٰ میری صحت بھی اچھی کردے۔ اس کے پاس دولت ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی دولت عطا فرمادے۔ یا مثلاً فلاں کے

پاس علم زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی علم عطا فرمادے۔ یہ ''رشک'' ہے، اس میں دوسرے کی نعمت کو دیکھ کر اپنے لئے بھی اسی نعمت کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔ یہ ''رشک'' کرنا منع نہیں، جائز ہے، جبکہ ''حسد'' میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ مجھے یہ نعمت ملے یا نہ ملے، لیکن اس کے پاس سے زائل ہو جائے، یہ ''حسد'' ہے۔

صرف دل کا رنجیدہ ہونا گناہ نہیں

یہ ''حسد'' بڑی خراب چیز ہے۔ اگر صرف دل میں یہ خیال آ گیا کہ یہ شخص مجھ سے فلاں چیز میں آگے بڑھ گیا ہے اور اس خیال کے نتیجے میں دل میں تکلیف اور صدمہ اور رنج ہو رہا ہے، لیکن اس رنج اور صدمہ کا کوئی اثر اپنے عمل سے ظاہر نہیں ہونے دیا تو یہ صدمہ اور رنج غیر اختیاری طور پر پیدا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ یہ ''کیفیت انسانیہ'' ہے جس میں انسان معذور ہے بشرطیکہ صرف دل کے اندر تک رہے، نہ اس رنج کا کوئی اثر اپنے کسی عمل سے ظاہر ہو اور نہ اس رنج کے مقتضی پر عمل ہو، اس حد تک کوئی گناہ نہیں۔

دل کے تقاضے پر عمل کرنا گناہ ہے

ہاں! گناہ اس وقت ہوگا جب اس ''حسد'' کے نتیجے میں اس کی بدخواہی میں کوئی کام کر گزرے۔ مثلاً دل میں خیال آیا کہ یہ شخص مجھ سے آگے بڑھ گیا ہے، اب میں لوگوں کے سامنے اس کی بُرائی بیان کروں تاکہ اس کی عزت میں کمی آئے، یا کوئی ایسی تدبیر اختیار کرے جس کے نتیجے میں اس کی دولت کم ہو

جائے، اس کی صحت کم ہو جائے، اس کا علم کم ہو جائے، لوگوں پر اس کے اثرات کم ہو جائیں۔ یا اس کے لئے بدعا کرے کہ یا اللہ! اس کی فلاں نعمت اس سے زائل ہو جائے، یا لوگوں کے سامنے اس کی غیبت کرے، یا مجمع کے سامنے اس کو ذلیل کرنے کی فکر کرے، یا جب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام نہ کرے وغیرہ، جب "حسد" کے نتیجے میں حسد کرنے والا یہ اعمال کرے گا تب یہ "حسد" گناہ اور معصیت کی شکل اختیار کرے گا۔ لیکن جب تک "حسد" کے نتیجے میں صرف دل میں ایک صدمہ اور تکلیف پیدا ہوئی ہے، اس حد تک یہ "حسد" گناہ اور معصیت نہیں کیونکہ یہ بات غیر اختیاری طور پر پیدا ہوئی ہے۔

البتہ دل کا خیال بھی خطرناک ہے

لیکن "احیاء العلوم" میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب یہ حسد دل میں پیدا ہوا اور دوسرے کے خلاف دل میں ایک کڑھن پیدا ہوئی کہ یہ مجھ سے آگے کیوں بڑھ گیا، اگرچہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے انسان اس میں معذور ہے اور یہ براہ راست گناہ نہیں، لیکن یہ خیال اور کڑھن بھی بڑی خطرناک ہے، کیونکہ اگر یہ خیال دل میں کچھ عرصہ تک باقی رہا تو یہی خیال بالآخر اس کو معصیت اور گناہ میں مبتلا کر دے گا اور اس کے نتیجے میں اس سے کوئی نہ کوئی بدخواہی کا عمل دوسرے کے خلاف سرزد ہو جائے گا۔ لہٰذا چاہے "حسد" کا خیال بلا اختیار آیا ہو لیکن اس "حسد" کو دل میں رکھنا اور اس کی پرورش کرنا بڑا خطرناک ہے، اس لئے نہ اس خیال کی پرورش کرو اور نہ اس کو دل میں باقی رکھو۔

خیال کے علاج کیلئے تین کام کرو

بلکہ اس موقع پر اس کے علاج کے لئے تین کام کرو۔ پہلا کام یہ ہے کہ جو خیال دل میں آیا ہے، اس کو بُرا سمجھو کہ یہ خیال جو میرے دل میں آیا ہے، یہ بُری بات ہے، کسی مسلمان کے بارے میں ایسی بات سوچنا بہت بُرا ہے، اس طرح اس خیال کی بُرائی کا تصور کرو۔ دوسرا کام یہ کرو کہ جس آدمی کے بارے میں یہ خیال پیدا ہوا ہے، اس کے محاسن اور اس کی اچھائیوں کا استحضار کرو، خاص طور پر ان اچھائیوں کا جن کا تعلق تمہاری ذات سے ہو، مثلاً اگر تم کو اس کے ذریعہ کسی موقع پر کسی درجہ میں نفع پہنچا ہے تو گویا کہ اس کا تمہارے اوپر احسان ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو خاص طور پر اس احسان کا استحضار کرو۔

تیسرا کام یہ کرو کہ اگرچہ تمہارے دل میں اس کے ''حسد'' کا خیال آ رہا ہے اور حسد کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو تکلیف پہنچے، اس کو نیچا دکھایا جائے، اس کی بُرائی ہو، لیکن بہ تکلف اور زبردستی اس کے حق میں دعا کرو کہ یا اللہ! اس کو اور زیادہ ترقی عطا فرما۔ یہ دعا کرنا بہت ہی کڑوا گھونٹ ہے، کیونکہ دل تو چاہ رہا ہے کہ وہ ذلیل و خوار ہو، لوگوں کے دلوں میں اس کی وقعت کم ہو اور وہ آگے ترقی نہ کرے، لیکن آپ اس کے لئے دعا کر رہے ہیں کہ یا اللہ! اس کو اور زیادہ ترقی درجات عطا فرما، اس کے علم میں ترقی عطا فرما، اس کی دولت میں ترقی عطا فرما، اس کی صحت میں ترقی عطا فرما، اور جب وہ سامنے آئے تو اس سے ابتداء بالسلام کرو اور اس کی تعظیم و اکرام کرو اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریف اور اچھائی بیان کرو، ایسا کرنے سے آپ کے سینے پر سانپ لوٹ

جائیں گے، لیکن حسد کا علاج یہی ہے۔

ورنہ وہ خیال ہلاکت میں ڈال دے گا

بہر حال مندرجہ بالا تین کام کرو، اگر حسد کرنے والا شخص یہ تین کام نہیں کرے گا تو پھر جو غیر اختیاری خیال دل میں آیا تھا، وہ بالآخر معصیت پر منتج ہو کر رہے گا اور وہ خیال تمہیں ہلاکت میں ڈال دے گا اور اگر مندرجہ بالا تین کام کر لئے تو انشاء اللہ وہ جو غیر اختیاری خیال آیا تھا، وہ معاف ہو جائے گا۔
اب دوبارہ حضرت والا کا ملفوظ دیکھ لیں۔ حضرت فرما رہے ہیں کہ:

ملفوظ کی تشریح

"ایک تو کیفیت انسانیہ ہے" اس کیفیت انسانیہ سے مراد وہ غیر اختیاری خیال ہے جو دل میں آ گیا، مثلاً کسی کے تم سے آگے بڑھنے سے تمہارے دل پر چوٹ لگ گئی، اس میں انسان معذور ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر مؤاخذہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس خیال کے مقتضیٰ پر عمل کرے، مثلاً اس کے درپے آزار ہو گیا، اس کی چغلیاں شروع کر دیں، اس کی غیبت شروع کر دی اور اس کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے اس کے پیچھے پڑ گیا، اس کے اندر انسان مازور یعنی گناہ گار ہے۔

تیسرا یہ کہ اس کے مقتضیٰ کی مخالفت کرے، مثلاً دل میں تو یہ خیال آ رہا ہے کہ کسی طرح اس کو ذلیل و خوار کر دوں، لیکن اس تقاضے کے برخلاف اس کی تعریف کر رہا ہے اور اس کے لئے دعا کر رہا ہے، اس عمل کے نتیجے میں انسان "ماجور" ہے، یعنی ایسا کرنے پر اس کو اجر و ثواب ملے گا۔

خیال کی مخالفت کا نتیجہ

نفس کے اس خیال کی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شیطان تمہارے دل میں حسد کا خیال اس لئے لایا تھا تا کہ تمہیں جہنم میں پہنچا دے، کیونکہ حسد کے نتیجے میں جو اعمال تم کرتے، وہ اعمال تم کو تباہ کر دیتے اور جہنم میں پہنچا دیتے، لیکن تم نے یہ کیا کہ جب حسد کا خیال آیا تو تم نے اس خیال کے تقاضے کی خلاف ورزی شروع کر دی، مثلاً اس کے حق میں دعا شروع کر دی اور اس کی تعریف شروع کر دی، تو خیال اوّلاً تمہیں معصیت میں مبتلا کرنے کے لئے آیا تھا، لیکن اس کے مقتضیٰ کے خلاف عمل کرنے کے نتیجے میں بالآخر نیکیوں اور ثواب کا خزانہ تمہارے نامہ اعمال میں جمع ہو جائے گا۔

کیا گناہ اچھی چیز ہے؟

ہمارے ایک بزرگ حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجازِ صحبت تھے، وہ بڑی عجیب وغریب باتیں کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ گناہ بڑی اچھی چیز ہے، ہم نے کہا کہ حضرت! گناہ اور اچھی چیز ہونا، سمجھ میں بات نہیں آئی، فرمایا کہ ہاں! گناہ بڑی اچھی چیز ہے، اس لئے کہ جب گناہ کا تقاضہ دل میں پیدا ہو اور انسان زبردستی کر کے اس گناہ سے بچے تو اس کے درجات کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں، اگر گناہ نہ ہوتے تو یہ درجات نہ بڑھتے، کیونکہ گناہ انسان کے دل میں جو معصیت اور نافرمانی کا تقاضہ پیدا کرتا ہے اور پھر انسان اس تقاضے کی مخالفت کرتا ہے اور اس کو کچلتا ہے تو اس کے درجات میں کہیں سے کہیں ترقی ہو جاتی ہے۔

دو شخصوں میں موازنہ کریں

دیکھئے! ایک وہ شخص ہے جس کے دل میں گناہ کا خیال ہی نہیں آیا، نہ اس کو گناہ کرنے کے مواقع میسر آئے اور وہ گناہوں سے بچتا ہوا گزر گیا تو انشاء اللہ وہ عذاب سے نجات پا جائے گا۔ لیکن دوسرا شخص وہ ہے کہ قدم قدم پر اس کے دل میں گناہوں کے تقاضے اور داعیے پیدا ہو رہے ہیں، گناہوں کے مواقع بھی میسر آ رہے ہیں، ایک قدم آگے بڑھتا ہے تو اس کے سامنے گناہ کا ایک تقاضہ آ کر کھڑا ہو جاتا ہے، وہ کسی طرح اپنے آپ کو اس گناہ سے بچا کر آگے بڑھتا ہے، جب دوسرا قدم بڑھاتا ہے تو پھر ایک گناہ کا تقاضہ پیدا ہوتا ہے، پھر وہ اپنے آپ کو کسی طرح اس سے بچا کر آگے بڑھا تو ایک داعیہ اور پیدا ہو گیا، اس طرح زندگی گناہوں کے تقاضوں سے مقابلہ کرتے ہوئے قبر تک پہنچ گیا۔ فرمایا کہ یہ جو دوسرا شخص ہے جو گناہوں کی کشمکش سے گزرتا ہوا اور اپنے دامن کو گناہوں سے بچاتا ہوا قبر تک پہنچا ہے، اس کا درجہ پہلے شخص کے مقابلے میں کہیں آگے ہے۔ یہ کیوں آگے بڑھ گیا؟ یہ گناہوں کی وجہ سے آگے بڑھ گیا۔ اس لئے حضرت بابا نجم احسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ گناہ بڑی اچھی چیز ہے، کیونکہ گناہوں کے تقاضوں کو کچلنے سے درجات بلند ہوتے ہیں۔

انگریزوں کے کباب لذیذ بنیں گے

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی اور جہاد کیا، ان کو انگریزوں سے

بڑی نفرت تھی، ان کی ہر چیز سے نفرت تھی اور یہ نفرت غلبہ حال تک پہنچی ہوئی تھی۔ کسی صاحب نے آ کر کہا کہ حضرت! آپ ہر وقت انگریزوں کی بُرائی ہی بیان کرتے رہتے ہیں، آخر ان میں کوئی اچھائی بھی تو ہوگی؟ دنیا میں کوئی بُری چیز ایسی نہیں ہے جس میں کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو، تو ان انگریزوں میں بھی کوئی تو اچھائی ہوگی؟ کبھی آپ ان انگریزوں کی اچھائی بھی بیان کر دیا کریں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ہاں بھائی! ان انگریزوں کے کباب بنا کر کھائے جائیں تو بڑے لذیذ ہوں گے، ان میں یہ ایک اچھائی ہے۔

خلاصہ

بہر حال! گناہوں کی اچھائی یہ ہے کہ ان گناہوں کے تقاضوں کو کچلا جائے اور ان کے تقاضوں کو دبایا جائے تو اس سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اسی طرح حسد کا جو خیال تمہارے دل میں آیا تھا، یہ اگرچہ تمہیں گناہ کے اندر مبتلا کرنے کے لئے آیا تھا، لیکن جب اس خیال کے تقاضے کے خلاف تم نے عمل کیا تو یہ اُلٹا تمہاری ترقی درجات کا سبب بن گیا، اسی طرح گناہوں کے جتنے داعیے اور تقاضے ہیں، وہ بالآخر انسان کی ترقی درجات کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس لئے اگر تمہارے دل میں حسد کے خیالات آتے ہیں تو ان کو ترقی درجات کے حصول کا ذریعہ بنا لو تو پھر ان شاء اللہ اس حسد کے خیال سے کوئی ضرر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۵۶

حسد اور اس کا علاج

(۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱/۱۸۸، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر : ۵۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

مجلس نمبر ۵۶

حسد اور اس کا علاج

(۲)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا إِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

حاسد خود حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے

گزشتہ کل حسد کا بیان شروع کیا تھا، اور میں نے عرض کیا تھا کہ یہ بیماری بڑی خطرناک ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ ''حسد'' کو صوفیاء کرام نے آگ سے تشبیہ دی ہے، کیونکہ ''حسد'' کے نتیجے میں انسان کے دل میں ''جلن'' پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً کسی دوسرے کو اچھی حالت میں دیکھا اور اس کو اپنے سے بڑھتا ہوا دیکھا تو طبیعت میں ایک جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حسد کے بارے میں ایک عربی شاعر نے کہا ہے۔

النار تا کل بعضها ان لم تجد ما تا کل

جس کا مفہوم یہ ہے کہ حسد کی مثال آگ جیسی ہے اور آگ کی خاصیت یہ ہے کہ جب اس کو دوسری چیز کھانے کو ملے تو تب تو یہ اس کو کھاتی رہے گی، مثلاً لکڑی کو آگ لگی ہوئی ہے تو وہ آگ لکڑی کو کھاتی رہے گی، لیکن جب لکڑی ختم ہو جائے گی تو آگ کا ایک حصہ خود اپنے دوسرے حصے کو کھانا شروع کر دے گا، یہاں تک کہ وہ آگ بھی ختم ہو جائے گی، اسی طرح حسد کی آگ بھی ایسی ہے کہ حسد کرنے والا پہلے تو دوسرے کو خراب کرنے اور دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جب حاسد دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا تو پھر خود حسد کی آگ میں جل جل کر بیمار ہو جاتا ہے اور اس کو ظاہری بیماری لگ جاتی ہے، کتنے لوگ ہیں جو اس حسد کی آگ میں جل جل کر خود ختم ہو گئے۔

''حاسد'' اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض کرنے والا ہے

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ''حسد'' بہت بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ اگر غور کرو گے تو یہ نظر آئے گا کہ ''حسد'' کرنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تقسیم پر اعتراض کر رہا ہے، مثلاً یہ کہ فلاں کو مجھ سے کیوں آگے بڑھا دیا گیا؟ فلاں کو آپ نے یہ نعمت کیوں عطا کر دی؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو جو چیز دی ہے، وہ ہم نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ کس شخص کو کیا چیز دی جائے اور کتنی مقدار میں دی جائے۔ لہٰذا یہ ان کی حکمت کا فیصلہ ہے، اب تم اعتراض کر رہے ہو کہ فلاں کو یہ نعمت اتنی کیوں دی گئی؟ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

(النساء:۳۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت عطا فرمائی ہے، اس کی تمنا مت کرو، کیونکہ یہ غیر اختیاری چیزیں ہیں، ان کے اندر تمنا مت کرو کہ یہ چیز اس کو کیوں مل گئی اور مجھے کیوں نہیں ملی۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے

یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے، کسی کو اچھی صحت دیدی لیکن اس کے پاس پیسہ نہیں، دوسرے کو پیسے کی نعمت دے دی لیکن صحت اچھی نہیں، کسی کو علم

کی دولت دیدی لیکن پیسے کی دولت نہیں دی، کسی کو عزت اور شہرت کی دولت دیدی اور دوسری نعمت مثلاً اولاد کی نعمت اس کو میسر نہیں ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے فیصلے سے یہ نعمتیں مقرر فرمائی ہیں کہ کس کو کیا نعمت دی جائے، تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو۔

اپنی نعمتوں کی طرف نظر کرو

''حسد'' کے اندر حاسد کو اپنی نعمت کی طرف نظر نہیں ہوتی بلکہ دوسرے کی نعمت کی زوال کی خواہش ہوتی ہے۔ لہٰذا حسد کرنے والا اگر یہ سوچے کہ فلاں کو یہ نعمت ملی ہوئی ہے، مجھے اس کے بجائے دوسری نعمت ملی ہوئی ہے، اس پر غور کرے گا تو حسد کی بیماری دل سے نکل جائے گی، مثلاً یہ کہ فلاں کو پیسے کی نعمت ملی ہوئی ہے لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے علم کی نعمت دی ہے۔ بقول کسی کے:

رضینا بقسمة الجبّار فینا

لنا عِلم و للجهّال مال

یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان جو تقسیم فرمائی ہے، اس پر ہم راضی ہیں کہ جاہلوں کو مال کی نعمت دیدی اور ہمیں ان کے مقابلے میں علم کی دولت دیدی۔ لہٰذا آدمی کیوں غمگین اور رنجیدہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہئے۔ بہر حال! حسد کے اندر سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اعتراض ہوتا ہے، اس لئے اس سے بچنا چاہئے۔

ان خیالات کو بُرا سمجھو

جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ بعض اوقات دل میں "حسد" کے غیر اختیاری خیالات آجاتے ہیں، ان غیر اختیاری خیالات کے آنے میں انسان ایک درجے میں معذور ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں۔ لیکن یہ غیر اختیاری خیالات بھی خطرناک ہیں، کیونکہ کسی وقت بھی یہ انسان کو گناہ کے اندر مبتلا بھی کردیتے ہیں، لہٰذا ان کا علاج کرنا ضروری ہے، ان خیالات کا علاج یہ ہے کہ ان کو بُرا سمجھو اور ان کے مقتضیٰ کے خلاف پر عمل کرو۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> اختیاری کی ضد بھی اختیاری ہوتی ہے، پس جو امور حسد سے ناشی ہیں، ان کی ضد کو اپنے اختیار سے عمل میں لاؤ، اس طرح کہ بجائے غیبت کے محسود کی مدح زبان سے کیا کرو، گو نفس کو ناگوار ہو، مگر زبان پر تو اختیار ہے، اور اس سے نیاز مندی کے ساتھ ملاقات و کلام کرو، اور اس کے ضرر پر زبان سے رنج ظاہر کیا کرو، اس کے سامنے بھی اور دوسروں کے سامنے بھی، اور وہ اگر سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کیا کرو، کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیا کرو، ایک مدت تک ایسا کرنے سے حسد زائل ہو جائے گا، کم از کم بیس بار اس معاملہ کو واضح کیا

جائے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۳)

یعنی جس کام کا کرنا اختیار میں ہے، اس کا چھوڑنا بھی اختیار میں ہوگا، لہٰذا حسد کے نتیجے میں جو خیال دل میں پیدا ہو رہا ہے کہ میں اس کو ماروں، اس کو بُرا بھلا کہوں، اس کی اہانت کروں، اس کو لوگوں میں بدنام کروں، اس کی غیبت کروں، حسد کی وجہ سے ان اعمال کو کرنے کا دل میں خیال پیدا ہو رہا ہے اور یہ سب اعمال اختیاری ہیں اور حرام ہیں، لہٰذا ان کی ضد بھی اختیاری ہے۔

جس سے حسد ہو رہا ہے اس کی تعریف کرو

مثلاً دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کو بدنام کروں، لیکن بجائے بدنام کرنے کے اس کی تعریف لوگوں کے سامنے کرو، یہ بھی اختیار میں ہے، اور جب اختیار میں ہے تو اپنے اختیار سے اس کو عمل میں لاؤ۔ اس لئے حضرت تھانویؒ فرما رہے ہیں کہ ''جو امور حسد سے ناشی ہیں، ان کی ضد کو اپنے اختیار سے عمل میں لاؤ، اس طرح کہ بجائے غیبت کے محسود کی مدح زبان سے کیا کرو'' یعنی جس سے دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے، اس کی بُرائی کرنے کے بجائے اس کی تعریف کرو، دل تو اس پر آمادہ نہیں ہوگا، لیکن دل کو قابو کر کے زبردستی اس کی تعریف کرو، گو نفس کو ناگوار ہو۔

اب دل تو چاہ رہا ہے کہ میں اس کو گالی دوں یا ایسا بُرا بھلا کہوں کہ یہ ساری دنیا میں بدنام ہو جائے، لیکن اس حاسد سے الٹا یہ کہا جا رہا ہے کہ اس کی تعریف کرو، تعریف کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی کوئی مصنوعی تعریف کرو

بلکہ اس کی حقیقی تعریف کرو، کیونکہ دنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کے اندر کوئی قابل تعریف پہلو نہ ہو، لہٰذا اس محسود کے اندر قابل تعریف پہلو کو تلاش کر کے پھر اس کی تعریف کرو کہ ماشاء اللہ اس کے اندر یہ بہت اچھا وصف موجود ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا چور کے پاؤں چومنا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ کسی راستے سے گزر رہے تھے، دیکھا کہ ایک آدمی سولی پر لٹکایا ہوا ہے، اس کا دایاں ہاتھ بھی کٹا ہوا ہے اور اس کا بایاں پاؤں بھی کٹا ہوا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے پہلی مرتبہ جب چوری کی تو اسکا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا، جب دوسری مرتبہ اس نے چوری کی تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا گیا تھا، اس کے بعد پھر بھی باز نہ آیا اور پھر اس نے چوری کی تو اب اس کے نتیجے میں اس کو سولی پر لٹکایا جا رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے اور اس چور کے پاؤں کو جو لٹک رہا تھا، اس کو بوسہ دیا۔

لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ جیسا انسان اتنے بڑے چور اور ڈاکو کے پاؤں کو بوسہ دے؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپ نے کیوں بوسہ دیا؟ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس شخص کے اندر ایک بہت عمدہ وصف ہے، وہ ہے ''استقامت'' میں نے اس کے اس وصف کو بوسہ دیا ہے،

اگرچہ اس شخص نے اس ''استقامت'' کے وصف کو غلط جگہ استعمال کیا اور گناہ کے کام میں استعمال کیا، یہ اس کی غلطی ہے، لیکن ''استقامت'' کا وصف بذات خود قابل تعریف وصف ہے، اگر یہ شخص اس وصف کو کسی صحیح کام میں لگالیتا تو یہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

ہر انسان کے اندر کوئی خوبی ہوتی ہے

لہٰذا ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی خوبی کی بات ہوتی ہے۔ اقبال شاعر بعض اوقات بڑی حکیمانہ بات بھی کہہ دیتا ہے، چنانچہ ایک بچوں کی نظم میں بڑی اچھی بات کہی کہ ؎

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

لہٰذا دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے پیدا فرمائی ہیں۔

محسود کی مدح کرو

لہٰذا جس شخص سے تمہارے دل میں حسد پیدا ہو رہا ہے، اس کے اندر کوئی اچھائی تلاش کرو، اس کی کوئی خوبی تلاش کرو، پھر لوگوں کے سامنے اس کی اس اچھائی کو اور خوبی کو بیان کرو، ایسا کرنے سے دل پر آرے چلیں گے، لیکن چلنے دو، کیونکہ جو 'حسد' کی بیماری دل میں پیدا ہو رہی ہے، اس کا علاج ہی دل پر آرے چلانا ہے، اس لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''بجائے

غیبت کے محسود کی مدح زبان سے کیا کرو گو نفس کو ناگوار ہو، مگر زبان پر تو اختیار ہے۔" ایک کام تو یہ کرو۔

محسود سے نیاز مندی کے ساتھ ملاقات کرو

دوسرا کام یہ کرو کہ "اس سے نیاز مندی کے ساتھ ملاقات اور کلام کرو"۔ مثلاً دل تو چاہ رہا ہے کہ اس کا منہ نوچ لوں، لیکن جب ملاقات ہو تو اس سے نیاز مندی اور عاجزی کے ساتھ ملاقات کرو اور اس سے بات چیت بھی نرمی کے ساتھ کرو۔

محسود کے ضرر پر رنج ظاہر کرو اور اسکی تعظیم کرو

تیسرا کام یہ کرو کہ: "اس کے ضرر پر زبان سے رنج ظاہر کیا کرو"۔ یعنی اگر اس محسود کو کوئی صدمہ یا کوئی رنج یا کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس تکلیف پر خود بھی اظہار رنج کرو، اس کے سامنے بھی کرو اور دوسرے لوگوں کے سامنے بھی کرو۔ چوتھا کام یہ کرو کہ "جب وہ سامنے آجائے تو اس کی تعظیم کیا کرو"۔

محسود کو ہدیہ دیا کرو

پانچواں کام یہ کرو کہ "کبھی کبھی اس کو ہدیہ دیا کرو" تاکہ اس کے دل میں بھی تمہاری محبت پیدا ہو، اور تمہارے دل میں بھی اس کی محبت پیدا ہو۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے دوسرے سب کام کرنا تو گوارہ ہو جاتا ہے لیکن پیسے خرچ کرنا طبیعت پر بڑا بھاری ہوتا ہے، بقول کسی کے "گر جان

طلبی حاضر است، گرز طلبی سخن دریں است'' لہٰذا پیسہ جیب سے نکالنا بڑا بھاری ہوتا ہے، لیکن یہ کڑوا گھونٹ بھی پیو۔ اب تم اس کو ہدیہ دوگے تو یہ ہوگا کہ جیب سے پیسے بھی نکلیں گے اور ایسے شخص کے پاس جائیں گے جس سے سخت نفرت ہے، اور جب یہ سب کام ''حسد'' کی مخالفت میں کروگے تو اس کے نتیجے میں انشاء اللہ یہ حسد کی بیماری زائل ہو جائے گی۔

یہ کام بار بار کرنے سے حسد دور ہوگا

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ: ''ایک مدت تک ایسا کرنے سے ''حسد'' زائل ہو جائے گا، کم از کم بیس بار اس معاملے کو واضح کیا جائے۔'' یعنی بیس مرتبہ یہ کام کرو۔ چونکہ ایک صاحب نے خط میں حضرت والا کو لکھا تھا کہ مجھے فلاں آدمی سے ''حسد'' ہے، اس پر حضرت والا نے اس کا علاج فرمایا کہ اس کی تعریف کرو، اس کی تعظیم کرو، اس کو ہدیہ دو، اور کم از کم بیس مرتبہ یہ عمل کرو تو انشاء اللہ یہ حسد زائل ہو جائے گا۔

حسد اور حقد میں فرق

ایک اور خط کے جواب میں حضرت والاؒ نے لکھا کہ:

اگر کسی کے نقصان کی خبر سننے یا بُرائی کی خبر سننے سے دل خوش ہو تو یہ ''حسد'' کا مادّہ ہے، اور اگر اس شخص سے رنج پہنچا ہو تو ''حقد'' کا مادہ ہے، مگر ''مادہ'' پر مواخذہ نہیں، اگر اس کے مقتضی پر عمل کیا جائے تو مواخذہ ہے

اور عمل اختیاری ہے، اس سے بچنا اختیاری ہے، لیکن مادہ کو مضمحل کرنا ضروری ہے تاکہ بڑھ نہ جائے، اس کی تدبیر یہی ہے کہ شرمندہ ہوں اور حق تعالیٰ سے توبہ کریں اور دعا کریں کہ اس کو (اللہ تعالیٰ) دفع کریں اور اس شخص کی اعانت کریں، خواہ مال سے، یا بدن سے یا دعا سے، اس سے وہ ''مادہ'' کالعدم ہو جائے گا۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۴)

اس خط میں حضرت والا نے ''حسد'' اور ''حقد'' میں فرق بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا کہ ''اگر کسی کے نقصان کی خبر سننے سے دل خوش ہو'' مثلاً کسی کے گھر میں چوری ہو گئی یا ڈاکہ پڑ گیا تو اب دل خوش ہوا کہ اچھا ہوا اس کے پیسے کم ہو گئے۔ یا مثلاً کسی کو تجارت میں نقصان ہو گیا تو دل خوش ہوا کہ چلو اچھا ہوا، یہ بہت اکڑ رہا تھا تو یہ زوال نعمت پر خوش ہونا، یہ بھی حسد کا ایک حصہ ہے، اگر اس طرح دل خوش ہو تو یہ ''حسد'' ہے۔

یہ کینہ ہے

اور اگر کسی شخص سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچی اور اس تکلیف پہنچنے کے نتیجے میں دل میں اس شخص کی نفرت پیدا ہو گئی، اور اس نفرت کی وجہ سے اس کو صدمہ پہنچنے سے تمہیں خوشی ہوتی ہے، اس کو تکلیف پہنچنے سے تمہیں راحت حاصل ہوتی ہے، تو یہ صورت ''حقد'' کہلائے گی۔ گویا کہ تمہارے دل میں ''کینہ'' ہے، کیونکہ ''کینہ'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے تمہیں تکلیف پہنچائی، اس کے

نتیجے میں تمہارے دل میں اس سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوا، لیکن دل میں جس طرح کا انتقام لینے کی خواہش تھی، ویسا انتقام تم نہ لے سکے اور اس کے نتیجے میں تمہارے دل میں گھٹن پیدا ہوگئی، اور اس گھٹن نے اس آدمی کی نفرت تمہارے دل میں پیدا کر دی، اور اب اس کی برائی اور تکلیف سے دل میں خوشی کا جذبہ پیدا ہوگیا اور اس کی بدخواہی دل میں پیدا ہوگئی، اس کا نام ''کینہ'' ہے۔ اسی کا بیان آگے انشاء اللہ تعالیٰ مستقل آئے گا۔ بہرحال! حضرت والا یہاں پر ''حسد'' اور ''کینہ'' کے درمیان فرق بیان فرما رہے ہیں کہ اگر صرف یہ بات ہو کہ اس کی بُرائی سے خوشی ہو تو یہ حسد ہے اور اگر اس شخص سے رنج پہنچا ہے، اور اس کے نتیجے میں یہ صورت پیدا ہوئی ہو تو یہ ''حقد'' اور ''کینہ'' ہے۔

مادہ کو کمزور کرنا ضروری ہے

آگے حضرت والا فرما رہے ہیں کہ ''مگر مادہ پر مواخذہ نہیں''۔ یعنی دل میں جو غیر اختیاری خیال پیدا ہوا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی گرفت نہیں، اگر اس کے مقتضیٰ پر عمل کیا جائے تو مواخذہ ہے۔ یعنی دل میں حسد کا خیال آنے کے بعد کوئی ایسا بدخواہی کا عمل کرنا جس سے اس کو تکلیف پہنچے، اس کو رنج اور صدمہ پہنچے تو اس پر مؤاخذہ ہے۔ اور عمل اختیاری ہے اور اس سے بچنا بھی اختیاری ہے لیکن مادہ کو مضمحل کرنا ضروری ہے تاکہ بڑھ نہ جائے، یعنی صرف مادہ کا پیدا ہونا گناہ نہیں لیکن اس مادہ کو کمزور کرنا بڑا ضروری ہے تاکہ بڑھے نہیں۔'' اس کی تدبیر یہی ہے کہ شرمندہ ہو اور حق تعالیٰ سے توبہ کرے،

اور اللہ تعالیٰ سے اس کے دفع ہونے کی دعا کرے اور اس شخص کی اعانت کرے خواہ مال سے یا بدن سے یا دعا سے، اس سے وہ مادہ کالعدم ہو جائے گا۔''

شیطان کی حکایت

اللہ بچائے یہ ''حسد'' بڑی خراب چیز ہے، خاص طور پر ہمارے اہل علم کے طبقے میں زیادہ پایا جاتا ہے، کیونکہ یہ علم ایسی چیز ہے کہ اس کے اندر ترفع کی شان ہے، اس وجہ سے دوسرے شخص کو علم میں آگے بڑھتا ہوا اور ترقی کرتا ہوا دیکھ کر اور اس کی مقبولیت دیکھ کر بعض اوقات اس کی طرف سے دل میں حسد پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک شخص نے خواب میں شیطان کو ایک بنجارے کی شکل میں دیکھا۔ ''بنجارہ'' اس کو کہتے ہیں جو اپنا سامانِ تجارت ایک گٹھری میں باندھ کر اور اپنے کندھے پر لاد کر گاؤں گاؤں محلے محلے اس سامان کو بیچتا پھرتا ہے۔ نظیر اکبر آبادی کی مشہور نظم ہے جس میں وہ یہ کہتا ہے کہ:

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا بنجارہ

بہر حال! خواب میں دیکھا کہ شیطان ایک بنجارے کی طرح بہت ساری گٹھریاں اپنے کندھے پر لادے جا رہا ہے، وہ گٹھریاں بھی عجیب وغریب تھیں، کسی گٹھری میں پاخانہ بھرا ہوا ہے، کسی گٹھری میں پیشاب بھرا ہوا ہے، کسی گٹھری میں پیپ وغیرہ، ساری دنیا کی نجاستیں اس کے پاس موجود تھیں اور ہر گٹھری پر کچھ نہ کچھ لکھا ہوا ہے، کسی پر لکھا ہے ''حسد'' کسی پر ''کینہ'' کسی پر ''حبِ مال''

کسی پر ''حبِ جاہ'' وغیرہ۔

کسی شخص نے شیطان سے پوچھا کہ تم یہ لے کر کہاں جا رہے ہو؟ شیطان نے کہا کہ یہ سامانِ تجارت ہے، اس کو بیچنے جا رہا ہوں۔ اس شخص نے کہا کہ یہ سب گندگی ہے، یہ کون تیرے سے خریدے گا؟ شیطان نے کہا کہ مجھے اپنے مال کی منڈیاں معلوم ہیں کہ کس منڈی میں میرا مال فروخت ہوگا، یہ ''حبِ مال'' تاجروں کے علاقے میں لے جا کر فروخت کروں گا، وہ مجھ سے یہ مال خرید لیں گے، یہ ''حبِ جاہ'' اور ''حسد'' اس کی منڈیاں علماء ہیں، جب علماء کے پاس لے جاؤں گا تو وہ اس کو ہاتھوں ہاتھ خرید لیں گے۔ العیاذ باللہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

علم سے حب جاہ اور حسد پیدا ہو جاتا ہے

بہرحال! اگر علم کے ساتھ اخلاص نہ ہو تو اس علم کے نتیجے میں ''حبِ جاہ'' پیدا ہوتی ہے اور حبِ جاہ'' کے نتیجے میں ''حسد'' پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ جب دوسرے کو علم کے اندر آگے بڑھتا ہوا دیکھے گا تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ مجھ سے کیوں آگے بڑھ گیا؟ اس کی شہرت کیوں زیادہ ہوگئی؟ اس کی طرف لوگوں کا رجوع کیوں زیادہ ہونے لگا؟ اگر علم کے ساتھ اخلاص ہو کہ وہ علم اللہ تعالیٰ کے لئے ہو تو پھر ''حسد'' اور ''حب جاہ'' پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا، بلکہ کوئی دوسرا علم کے اندر آگے بڑھ جائے گا تو خوشی پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے اخلاص عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ کا اخلاص

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے آمین۔ یہ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے اور دونوں کو آپس میں ایک دوسرے سے بڑی محبت تھی اور اس درجے کی محبت تھی کہ حضرت والد صاحب کی ہر کتاب کے دو نسخے رکھا کرتے تھے، اور چونکہ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی تھا، اس لئے حضرت والد صاحبؒ اپنی کتاب کا جو نام رکھتے تھے، وہ بھی اپنی کتاب کا وہی نام رکھتے تھے، چنانچہ والد صاحب نے قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور اس کا نام ''معارف القرآن'' رکھا، انہوں نے بھی قرآن کریم کی تفسیر لکھی اور اس کا نام بھی ''معارف القرآن'' رکھدیا، حضرت والد صاحبؒ نے ایک کتاب ''دعاوی مرزا'' کے نام سے لکھی، انہوں نے بھی ایک کتاب ''دعاوی مرزا'' کے نام سے لکھی، کئی کتابیں ایک ہی نام کی لکھیں۔

حسد کی وجہ سے تعلقات کی خرابی

لاہور میں قیام تھا، ایک مرتبہ میں لاہور گیا اور ان سے ملاقات کے لئے پہنچا تو مجھ سے فرمایا کہ ''مولوی شفیع'' سے میرا سلام کہو''۔ لفظ ''مولوی'' سے آگے مولانا کا لفظ کبھی نہیں بولتے تھے، پھر فرمانے لگے کہ مولوی شفیع سے ہمارا باون سال کا تعلق ہے اور الحمد للہ اس باون سالہ تعلق کے دوران کبھی دل میں ایک دوسرے کے خلاف بال بھی نہیں آیا'' پھر فرمانے لگے کہ یہ بتاؤں کہ ایک

دوسرے کے خلاف بال بھی کیوں نہیں آیا؟ فرمایا کہ بال اس لئے نہیں آیا کہ مولویوں کے درمیان جو تعلقات خراب ہوتے ہیں، اس کی وجہ ''حسد'' ہوتی ہے کہ فلاں ہم سے آگے کیوں نکل گیا؟ اس حسد کی وجہ سے کدورتیں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے نتیجے میں تعلقات خراب ہوتے ہیں، الحمدللہ! میرا مولوی شفیع سے اس قسم کا حسد کبھی ہوا ہی نہیں۔

بے مثال دوستی کا نمونہ

پھر فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤں کہ ہمارے درمیان ''حسد'' کیوں نہیں ہوا؟ میں نے کہا بتادیں، فرمایا کہ تم نے ''کافیہ'' پڑھا؟ میں نے کہا جی ہاں! پڑھا، فرمایا کہ اس میں توابع کا بیان آتا ہے، وہ تم نے پڑھا؟ میں نے کہا جی ہاں! پڑھا، فرمایا کہ اس توابع میں ایک نعت ہوتی ہے، وہ پڑھی؟ میں نے کہا کہ جی ہاں! پڑھی، فرمایا کہ نعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک متبوع کی نعت اور ایک متعلق متبوع کی نعت، مثلاً اگر ''زیدن العالم'' کہو تو ''عالم'' زید کی نعت اور اس کی صفت ہے، اور کبھی متعلق متبوع کی نعت ہوتی ہے، جیسے ''زیدن العالم غلامہ'' اس میں ''عالم'' اگرچہ اصلاً غلام کی نعت ہے، لیکن جب ترکیب کرو گے تو یوں کہو گے ''زید'' موصوف ''العالم غلامہ'' صفت، حالانکہ ''العالم'' زید کی صفت نہیں ہے بلکہ اس کے متعلق یعنی غلام کی صفت ہے، مگر پھر بھی ترکیب میں اس کو ''زید'' ہی کی صفت کہا جاتا ہے۔

یہ ساری تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ مولوی صاحب! جب

مولوی شفیع کا کوئی علمی کارنامہ میرے سامنے آوے تو میں یوں سمجھوں کہ میں ''زیدن العالم اخوہ'' کی قبیل سے ہوں اور جو تصنیف انہوں نے کی ہے، وہ حقیقت میں تو ان کی ہے لیکن ان کے واسطے سے میری بھی ہے، اس وجہ سے ہمارے درمیان طویل عرصے کی دوستی کے باوجود کبھی دل میں حسد پیدا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ یہ جذبہ ہم سب کو عطا فرمادے، آمین۔

علم کے ساتھ اخلاص اور خادمیت کا جذبہ

لہٰذا علم کے اندر اخلاص ہونا چاہئے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے علم حاصل کرنا چاہئے، یہ علم اس لئے نہیں ہے کہ اس کے ذریعے دوسروں پر فضیلت جتائی جائے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا خوبصورت بات ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ کیا یہ علم اللہ تعالیٰ نے دوسروں پر جتلانے کے لئے دیا ہے؟ ارے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک نعمت دی ہے، اس نعمت کو صحیح مصرف پر استعمال کرو، اس علم کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اس علم کے ذریعہ دوسروں کو نفع پہنچاؤ اور اس کے ذریعہ دوسروں کی خدمت کرو، تم خادم ہو اور دوسری مخلوق مخدوم ہے، علم کے ساتھ یہی خدمت کا جذبہ انسان کے اندر پیدا ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اس کے ذریعہ دوسروں پر اپنی فضیلت جتائی جائے۔

پھر حسد پیدا نہیں ہوگا

اور جب یہ اخلاص پیدا ہو جائے گا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی دوسرا شخص علم کے اندر تم سے آگے بڑھتا نظر آئے گا اور اس کے ذریعہ لوگوں کو

فائدہ پہنچتا نظر آئے گا تو تم یہی سمجھو گے کہ میرا ہی مقصد حاصل ہو رہا ہے، لہٰذا اس پر خوش ہونا چاہئے، نہ یہ کہ اس پر رنجیدہ ہوں۔

شہرت خراب چیز ہے

یہ "شہرت اور حبِ جاہ اور مقبولیت" دین کے اعتبار سے تو یہ خراب چیز ہے، حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی راحت کے اعتبار سے بھی بڑی خراب چیز ہے، اس کے نتیجے میں آدمی کسی کام کا نہیں رہتا، آدمی ایسی فضول چیز کو حاصل کرنے کی طرف کیوں توجہ کرے اور اس کی وجہ سے دوسروں سے کیوں حسد کرے۔ ارے بھائی! اگر لوگ تمہارے مقابلے میں دوسروں کی طرف زیادہ متوجہ ہو رہے ہیں تو تمہیں تو خوش ہونا چاہئے کہ تمہارا کام آدھے سے زیادہ دوسرا انجام دے رہا ہے، اسلئے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، نہ یہ کہ اس سے حسد کرنے بیٹھ جاؤ۔

خلاصہ

بہرحال! اگر دل میں یہ اخلاص رہے تو پھر حسد کی جڑ کٹ جاتی ہے، اور اس حسد سے بچنے کا بڑا ذریعہ یہ ہے کہ ہر عمل میں اخلاص پیدا کرو، جوں جوں اخلاص پیدا ہوگا، انشاء اللہ یہ حسد زائل ہوگا، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۵۷

کینہ اور بُغض اور اس کا علاج

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر ۵۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مجلس نمبر ۵۷

کینہ اور بُغض اور اس کا علاج

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

گزشتہ دو روز سے ''حسد'' کا بیان چل رہا تھا، الحمدللہ وہ مکمل ہو گیا۔

آگے حضرت والا ایک اور باطنی بیماری حقد یعنی کینہ کا بیان شروع فرما رہے ہیں۔

کینہ رکھنے پر وعید

یہ ''کینہ'' بھی انسان کے دل کی ایک بہت بڑی بیماری ہے، یہ اتنی بڑی بیماری ہے کہ ایک حدیث میں حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

> شب برأت میں اللہ تعالیٰ بے شمار انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں اور قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہیں، ان بالوں کی مقدار کے برابر انسانوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔

''قبیلہ بنی کلب'' بہت بڑا قبیلہ تھا جو ہزارہا افراد پر مشتمل تھا اور ہر شخص کے پاس بکریوں کے ریوڑ تھے، ان کی بکریاں بھی ہزاروں بلکہ لاکھوں کی مقدار میں ہوں گی، آپ نے فرمایا کہ اس قبیلے کی بکریوں کے جسم پر جتنے بال ہیں، اتنے انسانوں کی مغفرت اللہ تعالیٰ اس رات میں فرماتے ہیں لیکن دو آدمیوں کی مغفرت نہیں فرماتے۔

پاجامہ نیچے لٹکانا

دیکھئے! رحمت کا دروازہ اس رات میں کھلا ہوا ہے، رحمت کے پروانے تقسیم ہو رہے ہیں، لیکن اس رات میں دو آدمیوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک

وہ شخص جس کی شلوار یا پاجامہ یا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا ہوا ہو۔ العیاذ باللہ۔ کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور جو آدمی اس رات میں بھی تکبر سے باز نہ آئے، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے اور گڑگڑانے کے بجائے تکبر کا کام کرے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ہماری مغفرت کی ضرورت نہیں، اس لئے ہم اس کی مغفرت نہیں کرتے۔

کینہ رکھنا

دوسرا وہ شخص جس کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے کینہ ہو، بغض ہو، اللہ تعالیٰ اس کی بھی مغفرت نہیں فرماتے، چاہے وہ نمازیں پڑھ رہا ہو، چاہے وہ سجدے کر رہا ہو، چاہے وہ روزے رکھ رہا ہو یا رات کو جاگ رہا ہو، شب برات اور شب قدر میں بھی اس کی مغفرت نہیں ہوتی۔ یہ کینہ اور بغض اتنی خراب چیز ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے خزانے لٹ رہے ہیں، اس وقت بھی یہ شخص محروم ہے جس کے دل میں کینہ ہے، اس لئے اس سے ڈرنا چاہئے اور اس کی فکر کرنی چاہئے کہ کسی مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ نہ ہو۔ مسلمان کا کام یہ ہے کہ ؎

کفر است در طریقتِ ما کینہ داشتن
آئین ما است سینہ چوں آئینہ داشتن

ہمارے طریقے میں دوسرے مسلمان کی طرف سے دل میں کینہ رکھنا کفر ہے، اور ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہمارا سینہ آئینہ کی طرح صاف شفاف ہو، اس میں کسی دوسرے مسلمان کی طرف سے کینہ نہ ہو۔

''کینہ'' کسے کہتے ہیں؟

''کینہ'' کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''کینہ'' وہ ہے جو اختیار و قصد سے کسی کی بُرائی اور بدخواہی دل میں رکھی جائے اور اس کو ایذاء پہنچانے کی تدبیر بھی کرے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۴)

اپنے اختیار سے کسی شخص کی بدخواہی دل میں پال لی اور اس کی تدبیر بھی کر رہا ہے کہ اس کو تکلیف پہنچے، اس کا نقصان ہو اور اس کے درپے آزار ہو جائے۔ اس کو ''کینہ'' کہا جاتا ہے۔

کینہ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

یہ ''کینہ'' اکثر اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص سے آپ کو کوئی رنج یا کوئی تکلیف پہنچی، اس رنج اور تکلیف پہنچنے کے نتیجے میں آپ کو اس پر غصہ آیا اور دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی اس کو کوئی رنج اور تکلیف پہنچاؤں، لیکن جس شخص نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے وہ ایسا آدمی ہے کہ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، کیونکہ وہ یا تو عمر میں تم سے بڑا ہے یا مرتبے میں تم سے بڑا ہے اور تمہارا اس کے اوپر بس نہیں چلتا، اور بس نہ چلنے کی وجہ سے تم اس سے انتقام نہیں لے سکتے اور تمہارے پاس انتقام لینے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ لہٰذا ایک طرف تو غصہ

آ رہا ہے اور طبیعت میں اس کے خلاف اوٹن ہو رہی ہے اور اس کے خلاف دل میں جذبات پیدا ہو رہے ہیں اور دوسری طرف ان جذبات کے نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دل کے اندر گھٹن پیدا ہو رہی ہے، وہ گھٹن انسان کے اندر ''کینہ'' پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ وہ سوچتا ہے کہ اس وقت تو مجھے بدلہ لینے کا موقع نہیں ہے، لیکن جب کبھی موقع ملا تو میں اس کو چھوڑوں گا نہیں، یہ کینہ ہے۔

یہ خیال گناہ نہیں

اور اگر دل میں اتنا خیال ہو کہ جب مجھے موقع ملے گا تو جتنی تکلیف اس نے پہنچائی تھی، میں بھی اتنی تکلیف پہنچا دوں گا، تو یہ گناہ کی بات نہیں، کیونکہ شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ اگر کسی دوسرے شخص نے تمہیں تکلیف پہنچائی ہے تو تم بھی اس کو اتنی ہی تکلیف پہنچا سکتے ہو۔

غصہ میں انسان حد پر نہیں رہتا

لیکن یہ غصہ اور یہ گھٹن انسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیتی ہے کہ اگر میرا قابو چل گیا تو اس نے جتنی تکلیف مجھے پہنچائی ہے، اس سے دس گنی تکلیف میں اس کو پہنچاؤں گا، کیونکہ جو آدمی حدود کا پابند نہیں ہوتا، وہ کبھی حد پر نہیں رہتا۔ جو لوگ آپس میں گالی گلوچ کرتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب ایک نے یہ گالی دی کہ تو احمق اور بے وقوف ہے تو دوسرا جواب میں فوراً یہ کہے گا کہ تو بے وقوف، تیرا باپ بے وقوف، تیرا دادا بے وقوف، وہ بھی ایک پر

اکتفا نہیں کرے گا بلکہ باپ دادا تک پہنچ جائے گا۔ جس شخص کے اخلاق کا تزکیہ نہ ہوا ہو، وہ کبھی حد پر قائم نہیں رہتا۔ جیسا کہ عربی کا مقولہ ہے:

الجاهل إمّا مفرِط أو مفرّط

جاہل کا جذبہ صرف ایک مرتبہ ''بیوقوف'' کہہ دینے سے ٹھنڈا نہیں ہوتا بلکہ اور آگے بڑھتا ہے۔ اسی طرح جب دوسرے کو تکلیف پہنچانے کا موقع آجائے تو اس میں حد پر نہیں رہے گا، مثلاً کسی نے اس کو ایک ہاتھ مارا تو وہ جواب میں دو ہاتھ مار دے گا۔

انتقام لینے کا جذبہ کینہ ہے

لہٰذا جب آگے بڑھنے کا جذبہ موجود ہے تو وہ دل میں یہ ٹھانے ہوئے ہے کہ جب کبھی انتقام کا موقع ملے گا تو اس کو چھوڑوں گا نہیں، یہ بدخواہی جو دل میں پیدا ہو رہی ہے، اسی کا نام ''کینہ'' اور ''بغض'' ہے، اس ''کینہ'' کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جہاں اس کو تکلیف پہنچانے کا موقع ہوگا تو اس کو تکلیف پہنچا دے گا، جہاں بدنام کرنے کا موقع آئے گا وہاں بدنام کر دے گا، جہاں اس کی غیبت کرنے کا موقع ملے گا، تو اس کی غیبت کر دے گا جہاں زبان سے اس کی دل آزاری کا موقع ملے گا تو زبان سے دل آزاری کرے گا، طنز و طعنہ کے تیر اس کے اوپر برسائے گا، ان سب کاموں کا سبب بغض اور کینہ ہے، اس کینہ اور بغض کا ازالہ ضروری ہے۔

انسان کے پاس ترازو نہیں

دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حق دیا ہے کہ جس شخص نے آپ کو جان

بوجھ کر تکلیف پہنچائی ہے تو آپ اس سے انتقام لے سکتے ہیں، مگر اتنا ہی انتقام لے سکتے ہیں جتنی تکلیف اس نے پہنچائی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ یہ حد مقرر ہے، اس سے آگے بڑھنا جائز نہیں، لیکن یہ کیسے پتہ چلے کہ کس موقع پر انسان سرحد پار کر گیا؟ اس لئے کہ انسان کے اپنے پاس ایسا کوئی ترازو نہیں ہے جس سے وہ یہ پتہ چلائے کہ میں کس موقع پر حد پر قائم رہا اور کس موقع پر حد سے آگے بڑھ گیا، کہاں میں نفسانی جذبے کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انتقام لے رہا ہوں اور کہاں میں اللہ کیلئے بدلہ لے رہا ہوں، اس کا پتہ نہیں چلتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی نے ان کے سامنے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا کلمہ کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں برداشت کرنے والے تھے، انہوں نے اس کو پکڑ کر زمین پر گرایا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے، جب یہودی نے دیکھا کہ اب بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو اس نے نیچے پڑے پڑے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھوک دیا، جب یہودی نے تھوکا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے، لوگوں نے کہا کہ اب تو اور زیادہ سزا دیے جانے کے لائق تھا اور آپ نے اس کو چھوڑ دیا؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب تک تو میں اس سے اس لئے لڑ رہا تھا کہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی، لہٰذا میری اس کے ساتھ جو لڑائی تھی، وہ اپنی ذات کے لئے نہیں تھی بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی، لیکن جب اس نے میرے منہ پر تھوک دیا تو مجھے غصہ

آیا اور اس سے انتقام لینے کا جذبہ پیدا ہوا، لہٰذا اب اگر میں اس سے انتقام لیتا تو اپنی ذات کے لئے انتقام لیتا اور اپنی ذات کے لئے میں انتقام لینا نہیں چاہتا۔

صحابہ کرامؓ تزکیہ شدہ تھے

یہ تھے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''یُزَکِّیْھِمْ'' یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے تزکیہ کے لئے بھیجا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایسا تزکیہ کیا جیسا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں دیکھا۔

بہر حال! آدمی جب دوسرے سے انتقام لیتا ہے تو عام طور پر حد پر نہیں رہتا بلکہ حد سے آگے بڑھ جاتا ہے، اور اگر انتقام نہ لے سکا تو اس کے نتیجے میں کینہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ آمین۔ یہ کینہ بڑی خطرناک بیماری ہے۔

''کینہ'' کا علاج

اس کا علاج بھی وہی ہے جو حسد کا علاج ہے یعنی اپنے نفس پر جبر کر کے لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو اور اس کے حق میں دعاء خیر کرو کہ یا اللہ! دنیا و آخرت میں اس کے درجات بلند فرما، یا اللہ یہ شخص جس کی طرف سے میرے دل میں بُرائی کے پہاڑ کھڑے ہوئے ہیں، اس کو دنیا میں بھی ترقی عطا فرما اور آخرت میں بھی ترقی عطا فرما۔ اس طرح کرنے کے نتیجے میں سینے پر سانپ لوٹ جائیں گے، کیونکہ دل میں اس کی طرف سے کینہ، بغض اور

بدخواہی ہے اور دل تو یہ چاہ رہا ہے کہ اس کا منہ نوچ ڈالوں، لیکن زبان سے اس کی تعریف کر رہے ہو اور اس کے لئے دعا کر رہے ہو کہ یا اللہ! اس کے درجات بلند فرما۔ لیکن اس بیماری کا علاج بھی یہی ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ○ (حم سجدہ، آیت ۳۵)

یعنی یہ کام وہی کر سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو صبر کا عادی بنایا ہو اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو بڑا صاحب نصیب ہو۔ اس کے ذریعہ خوشخبری دے دی کہ جو شخص یہ کام کرے گا وہ بڑا صاحب نصیب ہوگا۔

جنّت کے لئے قربانی دینی پڑتی ہے

بھائی! جنّت اس قدر سستی نہیں ہے، اس کے لئے تھوڑی سی قربانی دینی پڑتی ہے۔ بعض اوقات جان کی قربانی دینی پڑتی ہے، بعض اوقات مال کی قربانی دینی پڑتی ہے اور بعض اوقات جذبات کی قربانی دینی پڑتی ہے اور جذبات کی قربانی بعض اوقات جان و مال کی قربانی سے زیادہ سخت ہوتی ہے، لیکن یہ جذبات کی قربانی اللہ تعالیٰ کے لئے دینی پڑتی ہے، بقول کسی کے:

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

لہٰذا جس آدمی کی طرف سے دل میں نفرت پیدا ہو رہی تھی، اسی کے حق میں دعا کی اور جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتے ہیں کہ میرے بندے نے میری خاطر یہ کام کیا،

اس نے میری خاطر اپنی نفسانی خواہشات کو کچلا، اپنے جذبات کو قربان کیا اور اپنے دل کی آرزوؤں اور تمناؤں کو خون کیا تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو بلند مقامات تک پہنچا دیتے ہیں۔

اس کے اندر اچھائی تلاش کرو

بہر حال! پہلا کام یہ کرو کہ تمہارے دل میں اس کی طرف سے جو بُرائی آرہی ہے، اس کو بُرا سمجھو کہ میرے دل میں جو بات آرہی ہے، وہ اچھی نہیں ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اور اس بُرے خیال کو دور کرنے کا ایک طریقہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا:

لایفرك مؤمنٌ مؤمنة إن كره منها خلقا رضی منها آخر۔

(مسلم، کتاب الرضاع باب الوصیۃ بالنساء)

یعنی کوئی مومن مرد کسی مؤمنہ عورت کے ساتھ بغض نہ رکھے۔ دراصل یہ میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں ارشاد ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے بغض نہ رکھے، کیونکہ اگر اس کی کوئی بات ناپسندیدہ ہے تو اس کی کوئی بات پسندیدہ بھی ہوگی۔

اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بغض دور کرنے کا طریقہ بتادیا کہ جس شخص کی طرف سے دل میں بغض پیدا ہو رہا ہے، اس کی اچھائیوں کی طرف نگاہ کرو اور اس کی اچھائیاں سوچ سوچ کر یاد کرو، یعنی یہ سوچو کہ میرے دل میں اس کی طرف سے جو بغض پیدا ہو رہا ہے، وہ اس کے

فلاں وصف کی وجہ سے ہو رہا ہے، لیکن اس کے اندر صرف یہی ایک وصف نہیں ہے بلکہ اس کے اندر تو اور بہت سے اچھے اوصاف بھی ہیں، پھر ان اچھے اوصاف کو یاد کرو، اس کے نتیجے میں اس بغض میں کمی آئے گی۔

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یاد رکھئے! دنیا میں کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ہے جس کے اندر کوئی نہ کوئی اچھائی نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جو چیزیں بنائی ہیں، ان میں نہ کوئی سراپا سیاہ ہے اور نہ کوئی سراپا سفید ہے بلکہ ہر ایک میں کچھ عیوب بھی ہیں اور کچھ اچھائیاں بھی ہیں، کائنات میں یہی نظام چل رہا ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

لہٰذا ایک کام یہ کرو کہ جن عیوب کی وجہ سے تمہارے دل میں کسی کی طرف سے بغض اور کینہ پیدا ہوا ہے، ان عیوب کو تھوڑی دیر کے لئے فراموش کر دو اور ان اچھائیوں کی طرف نگاہ کرو جو اس کے اندر موجود ہیں۔

کینہ سے متعلق وعیدوں کی طرف نظر کرو

دوسرا کام یہ کرو کہ اس بغض اور کینہ رکھنے پر قرآن و حدیث میں جو وعیدیں آئی ہیں، مثلاً یہ کہ شب برأت میں بھی اس شخص کی مغفرت نہیں ہوگی جس کے دل میں دوسرے کی طرف سے بغض اور کینہ ہوگا، وغیرہ، ان وعیدوں کی طرف نظر کرو۔ پھر عمل میں اس بات کا اہتمام کرو کہ اس شخص کے خلاف کوئی

کلمہ زبان سے نہ نکلے اور کوئی قدم عملاً اس کے خلاف نہ اٹھے اور اس کے حق میں دعاء خیر کرو اور لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو۔

یہ بات بغض میں داخل نہیں

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ بعض اوقات دل میں دوسرے کی طرف سے بُغض اور کینہ نہیں ہوتا لیکن لوگ اس کو بغض سمجھ لیتے ہیں، بات یہ ہے کہ "بُغض" اس وقت متحقق ہوتا ہے جب انسان دوسرے کی بدخواہی پر کمربستہ ہو جائے اور جان بوجھ کر اس کو تکلیف پہنچانے کی فکر میں لگ جائے اور تکلیف بھی پہنچائے، تب تو اس کو "بُغض" کہیں گے۔ لیکن اگر صرف یہ بات ہے کہ اس آدمی سے ملنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے اور اس سے طبیعت نہیں ملتی ہے اور اس کے گھر ملاقات کرنے کے لئے جانے کو دل نہیں چاہتا تو یہ "بُغض" نہیں بلکہ یہ طبیعت کا نہ ملنا ہے اور عدم مناسبت ہے۔ لہٰذا اگر کسی سے ملنے کو دل نہیں چاہتا تو نہ ملو، البتہ اس کے جو حقوق واجب ہیں، وہ ادا کرتے رہو، مثلاً جب سلام کرنے کا موقع آئے تو اس کو سلام کرو، وہ اگر سلام کرے تو اس کا جواب دو، اگر بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرلو، اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو جاؤ، اگر اس کے یہاں کوئی شادی یا غمی ہو تو اس میں شریک ہو جاؤ، بس، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اس سے میل جول رکھا جائے اور صبح شام اس کے ساتھ مجلسیں جمائی جائیں اور ہنسی مذاق کیا جائے، یہ سب فضول باتیں ہیں، ان کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن یہ بات ضروری ہے کہ اس کی بدخواہی نہ ہو۔

انقباض طبعی کینہ نہیں

اسی بات کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ میں بیان فرمارہے ہیں کہ:

اگر کسی سے رنج کی کوئی بات پیش آئے اور طبیعت اس سے ملنے کو نہ چاہے تو یہ کینہ نہیں بلکہ انقباض طبعی ہے جو گناہ نہیں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۴)

یعنی انسانی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، مزاج الگ ہوتے ہیں، ایک آدمی کا مزاج دوسرے سے نہیں ملتا تو یہ کوئی فرض نہیں کہ دوسرے سے ضرور ملا جائے، اس لئے یہ بغض اور کینہ نہیں۔

دوسرے کے نقصان سے دل میں فرحت

دیکھئے! جو لوگ اپنے شیخ سے اصلاح کراتے ہیں، وہ لوگ اپنے حالات اپنے شیخ کو لکھتے رہتے ہیں کہ میرے ساتھ اس قسم کی بات پیش آرہی ہے، یہ کوئی بیماری ہے یا نہیں؟ اگر یہ بیماری ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ شیخ سے یہی باتیں معلوم کی جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط میں لکھا کہ:

اپنے مخالف کو کوئی نقصان کسی سے پہنچ جاتا ہے تو قلب میں ایک فرحت محسوس ہوتی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۵)

یہ ہے شیخ سے اصلاح کرانے کا طریقہ کہ جو حالات دل پر گزر رہے ہیں، ان کی اطلاع شیخ کو کی جائے، چنانچہ ان صاحب نے یہ محسوس کیا کہ جب میرے مخالف کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے، مثلاً اس کے گھر میں آگ لگ گئی یا اس کے گھر میں چوری ہوگئی یا اس کی بدنامی ہوگئی تو اس سے دل میں ایک فرحت اور خوشی محسوس ہوتی ہے، آپ بتائیں کہ یہ فرحت ہونا گناہ ہے یا نہیں؟ اگر یہ گناہ اور بیماری ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟

یہ فرحت قابل دفع ہے

جواب میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ:

عقلاً اور اعتقاداً اس کا استحضار کیا جائے کہ یہ فرحت قابل دفع ہے اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرحت کو دفع فرمادیں۔ (ایضاً)

حضرت والا کا ایک ایک لفظ تُلا ہوا ہوتا ہے، فرمایا کہ ایک کام تو یہ کرو کہ تمہیں دوسرے کے نقصان سے جو فرحت ہو رہی ہے، عقلاً اور اعتقاداً اس بات کا دھیان کرو کہ دل میں اس خوشی کا پیدا ہونا اچھی بات نہیں بلکہ بُری بات ہے۔ ''عقلاً'' اور ''اعتقاداً'' کے الفاظ اس لئے بیان فرمائے کہ ''طبعاً'' جو خوشی ہو رہی ہے وہ غیر اختیاری ہے، وہ انسان کے اختیار میں نہیں، اور غیر اختیاری پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مؤاخذہ نہیں، لیکن عقلی اور اعتقادی طور پر یہ سمجھے اور اس کا دھیان کرے کہ مجھے یہ جو خوشی ہو رہی ہے، یہ بہت بُری ہے، مجھے یہ خوشی نہیں ہونی چاہئے، یہ خوشی قابل دفع ہے، اس کو ختم ہو جانا چاہئے۔ دوسرا

کام یہ کرو کہ دعا کرو کہ یا اللہ تعالیٰ! یہ خوشی بُری بات ہے، سچی بات یہ ہے کہ مجھے یہ خوشی ہونی نہیں چاہئے تھی لیکن اے اللہ! میرے قابو سے باہر ہے، اپنی رحمت سے میری یہ خوشی دور فرما دے۔

غیر اختیاری خیال گناہ نہیں لیکن بُرا ہے

دیکھئے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہارے دل میں یہ جو خوشی پیدا ہو رہی ہے، یہ بہت بڑا گناہ ہے، کیونکہ غیر اختیاری طور پر انسان کے دل میں جو خیال آجاتا ہے، وہ گناہ نہیں ہوتا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہیں ہوتی، اس لئے کہ وہ اختیار سے باہر ہے، لیکن اگر اس نے اس خیال کو دل میں جمالیا اور بٹھالیا اور اس کے بارے میں یہ تصور نہ کیا کہ یہ گناہ ہے اور یہ خیال دل میں بیٹھ کر کینہ میں تبدیل ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں تم سے گناہ سرزد ہو جائیں گے، پھر غیبت ہوگی، دل آزاری ہوگی اور بدگوئی ہوگی۔ لہٰذا اس خیال کا علاج یہ کرو کہ دل سے اس کو بُرا سمجھو کہ یہ خیال جو میرے دل میں آرہا ہے، یہ بہت بُرا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ یا اللہ! میرے دل سے یہ خیال نکال دیجئے۔ یہ دو کام تو فوراً کرلو اور اس بات کا اہتمام کرلو کہ اس خیال کے نتیجے میں اس کے خلاف کوئی عمل نہ ہو۔

تکلیف پہنچنے کو اپنی بدعملی کا نتیجہ سمجھنا

ایک صاحب نے حضرت کو خط میں لکھا کہ:

آرزو ہے کہ مخالف کی مخالفت کو اپنی حرکات ناشائستہ د

اعمال سیۂ کا نتیجہ سمجھوں۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۵)

کینہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کوئی مخالف کوئی تکلیف پہنچائے، اس لئے وہ صاحب یہ لکھتے ہیں کہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری طبیعت ایسی بنا دے کہ جب بھی کسی شخص سے کوئی تکلیف پہنچے تو میرے دل میں اس کے خلاف جذبات پیدا ہونے کے بجائے میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ میاں! دنیا میں جو تکلیف کسی انسان کو پہنچتی ہے، وہ اس کی بدعملی کی وجہ سے پہنچتی ہے، قرآن کریم میں ہے کہ:

وما اصابکم مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ۔ (الشوریٰ: ۳۰)

یعنی جو تکلیف اور مصیبت تمہیں پہنچتی ہے، وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ جب یہ بات ہے تو اب اگر دوسرا شخص مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے یا دوسرا شخص مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے تو درحقیقت وہ تکلیف بھی میری کسی بدعملی کی وجہ سے پہنچی ہے، اگر میں براعمل نہ کرتا تو یہ آدمی مجھے یہ تکلیف نہ پہنچاتا، چاہے وہ تکلیف کسی انسان سے پہنچے یا کسی جانور سے پہنچے یا زید عمر بکر سے پہنچے، وہ تکلیف میرے کسی بدعمل کا نتیجہ ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص مجھے مار رہا ہے تو حقیقت میں وہ مجھے نہیں مار رہا ہے بلکہ میرے کسی برے عمل کی وجہ سے مجھے مارا جا رہا ہے۔

جلّاد بادشاہ کے حکم کا تابع ہے

اگر بادشاہ جلّاد کو حکم دے کہ فلاں شخص کو سو کوڑے مارو تو اب بظاہر تو وہ

جلاد مار رہا ہے لیکن حقیقت میں تو بادشاہ کے حکم کی وجہ سے مار رہا ہے۔ لہٰذا جس شخص کو کوڑے مارے جا رہے ہیں، اس کے دل میں یہ بات ہوگی کہ میرا اصل دشمن یہ جلاد نہیں بلکہ بادشاہ ہے، اس لئے اگر کبھی یہ شخص انتقام لینے کا ارادہ کرے گا تو جلاد سے انتقام نہیں لے گا، کیونکہ جب بادشاہ نے مارنے کا حکم دیدیا تو اب جلاد کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ مارنے سے رک جاتا، اس کو تو حکم کے مطابق عمل کرنا تھا، اس کی تو یہ ڈیوٹی تھی۔

''تقدیر'' اس سے یہ کرا رہی ہے

لہٰذا اگر دل میں یہ بات آ جائے کہ یہ شخص جو مجھے تکلیف پہنچا رہا ہے، اس کی کیا مجال تھی کہ مجھے تکلیف پہنچاتا، یہ تو درحقیقت ''تقدیر'' اس سے یہ عمل کروا رہی ہے، اور تقدیر اس لئے کروا رہی ہے کہ میں نے کوئی برا عمل کیا تھا، اس کی سزا مجھے دنیا میں مل رہی ہے، لہٰذا میں تکلیف پہنچانے والے کو کیوں بُرا سمجھوں۔ جب یہ بات دل میں ہوگی تو پھر دوسرے کی طرف سے بُرائی اور کینہ دل میں نہیں آئے گا۔

یہ سوچنا اختیاری ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں تحریر فرمایا:

اس کا استحضار اختیاری ہے، تکرار استحضار سے اس میں رسوخ ہو جائے گا۔ (ایضاً)

یعنی اس بات کا دل میں دھیان کرتے رہنا کہ مجھے جو کچھ تکالیف پہنچ رہی ہے،

وہ میرے بُرے اعمال کی وجہ سے پہنچ رہی ہے، یہ دھیان کرنا انسان کے اختیار میں ہے اور تکرار استحضار سے اس میں رسوخ ہو جائے گا، یعنی بار بار جب یہ دھیان کرے گا تو رفتہ رفتہ یہ بات دل میں پیوست ہو جائے گی۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کا واقعہ

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ ''رسالہ قشیریہ'' میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ راستے میں جا رہے تھے، کوئی بے وقوف آپ کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے پیچھے پڑ گیا، اس بیوقوف کے ہاتھ میں ڈنڈا تھا، وہ اس نے حضرت ذوالنون مصریؒ کے سر پر مارنا شروع کر دیا، اس وقت حضرت کی زبان پر پہلا جملہ جو آیا، وہ جملہ یہ تھا کہ:

اِضْرِبْ رأساً طالماعصی اللّٰہ۔

یعنی اس سر کو مارو، کیونکہ اس سر نے بہت عرصے تک اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ لہٰذا جو مار پڑ رہی تھی، اس کو اپنی بدعملی کی طرف منسوب کیا۔

میں ہی سب سے زیادہ بدعمل ہوں

انہی ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ لوگ ان کے پاس آئے اور آکر کہا کہ حضرت! بارش نہیں ہو رہی ہے، قحط پڑا ہوا ہے، دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اس قحط کو دور فرما دیں۔ جواب میں فرمایا کہ یہ بارش بدعملیوں کی وجہ سے نہیں ہو رہی ہے اور مجھ سے زیادہ بدعمل اس بستی میں کوئی اور نہیں، لہٰذا میں اس بستی سے نکل جاتا ہوں، شاید میرے نکلنے کے بعد اس بستی

پر اللہ تعالیٰ کی رحمت آ جائے اور بارش ہو جائے۔ اپنے آپ کو بدترین خلائق سمجھ رہے ہیں۔

یہ سب کام کسی اور کے اشارے پر ہو رہے ہیں

بہرحال! یہ بات صحیح ہے کہ کسی کی مجال نہیں ہے کہ وہ دوسرے کو نقصان پہنچائے، نہ کسی انسان کی مجال ہے، نہ کسی جانور کی یہ مجال ہے، نہ کسی جن کی یہ مجال ہے، جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی اور کی طرف سے ہو رہا ہے اور حکمت کی بنیاد پر ہو رہا ہے، چونکہ ہماری اور آپ کی سمجھ میں وہ حکمت نہیں آتی، اس لئے اس نقصان اور تکلیف پر واویلا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

دنیا ہی میں پاک صاف کرنا چاہتے ہیں

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص شیر کے پنجرے میں آ جائے تو وہ شخص بے اختیار ہوگا، سوائے تسلیم و رضا کے کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ تجھے کھانا ہے تو کھالے، پھاڑنا ہے تو پھاڑ لے، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔ اسی طرح ہر انسان کو یہ سوچنا چاہئے کہ اس کائنات میں سب کام مالک الملک والملکوت کی تقدیر سے ہو رہا ہے، اگر کوئی تمہیں پتھر بھی مار رہا ہے تو وہ کسی کی اذن سے مار رہا ہے، کسی کی مشیت سے مار رہا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ مشیت کیوں ہوئی؟ وہ مشیت اس لئے ہوئی کہ تم نے بدعملی کی تھی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمہیں دنیا ہی میں سزا دیدیں تاکہ آخرت میں عذاب نہ دینا پڑے۔ کیونکہ دو ہی راستے تھے، یا تو آخرت میں جہنم میں ڈالتے یا دنیا ہی میں سزا دیدیتے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تم پر رحمت فرمائی کہ آخرت کے عذاب کے

بدلے دنیا میں ہی سزا دیدی تاکہ یہیں حساب کتاب صاف ہو جائے۔

یہ سوچنا کینہ کو ختم کردیگا

لہٰذا دوسرا شخص تمہیں جو تکلیف پہنچا رہا ہے، یہ کسی کی تقدیر کے تحت ہے، لہٰذا اس آدمی سے بغض اور کینہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے، اگر کینہ رکھنا ہے تو اپنی بداعمالیوں سے کینہ رکھو، اپنی بداعمالیوں سے بغض رکھو جن کی وجہ سے اس کو تمہیں تکلیف پہنچانے کا یہ حوصلہ پیدا ہوا، اگر یہ خیال کرو گے تو پھر انشاء اللہ دل میں کسی دوسرے کی طرف سے بغض اور کینہ پیدا نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو بھی ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۵۸

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

بیوی سے محبّت حبِّ دنیا نہیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر: ۴
مجلس نمبر : ۵۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۵۸

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

بیوی سے محبت حبِّ دنیا نہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

بیوی سے محبت محمود ہے

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی سالک کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا:

بیوی کی محبت دنیا تو ہے مگر مباح بلکہ محمود، مگر اس شرط سے کہ غافل عن الدین نہ کرے، بیوی کے ساتھ محبت کا زیادہ ہونا عین مطلوب ہے، جب تقویٰ بڑھتا ہے تو بیوی سے محبت بڑھ جاتی ہے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۵)

ہر وہ چیز جو گناہ پر آمادہ کرے "دنیا" ہے

وہ دنیا جس کی قرآن وحدیث میں مذمت آئی ہے اور جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ "حبّ الدنیا رأس کل خطیئة" اور جس کے بارے میں فرمایا گیا کہ:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

(الحدید: ۲۰)

یعنی دنیاوی زندگی دھوکہ کا سامان ہے وغیرہ، ان سب سے مراد دو صورتوں میں سے ایک ہے، ایک یہ کہ دنیا کے ساتھ ایسا تعلق ہو جائے کہ وہ تعلق انسان کو کسی گناہ پر آمادہ کر دے۔ اور گناہ کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ اپنے ذمے جو فرائض اور واجبات ہیں، ان کے ترک پر آمادہ کر دے۔

مباحات میں انہماک ''دنیا'' ہے

دوسری صورت یہ ہے کہ اگرچہ دنیا کے ساتھ تعلق نے انسان کو براہ راست گناہ پر آمادہ تو نہیں کیا لیکن مباحات میں اس درجہ تک انہماک پیدا کر دیا کہ اب صبح سے لے کر شام تک دنیا کے مباحات کے علاوہ کسی اور چیز کا خیال ہی دل میں نہیں آتا، ہر وقت وہی مباحات دل و دماغ پر چھائے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کا خیال کبھی دل میں نہیں آتا۔ اگرچہ اس دوسری صورت کو فتویٰ کے اعتبار سے گناہ اور معصیت نہیں کہہ سکتے، کیونکہ کسی معصیت کا ارتکاب ابھی تک نہیں ہوا، لیکن تجربہ یہ ہے کہ یہ انہماک بالآخر انسان کو معصیت تک لے جاتا ہے، اس لئے دنیا کے اندر ایسا انہماک بھی نہ ہونا چاہئے۔

پھر دنیا مضر نہیں

اگر دنیا کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا دو صورتیں نہ ہوں، یعنی نہ تو کسی معصیت کا ارتکاب ہو اور نہ دنیا کے اندر ایسا انہماک ہو کہ ہر وقت دنیا کی فکر دل و دماغ پر چھا جائے تو پھر یہ دنیا مضر ہونے کے بجائے اور زیادہ فائدہ مند ہو جاتی ہے، اور پھر وہ دنیا آخرت کا اور اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا زینہ بن جاتی ہے۔ لہٰذا انسان ان دو صورتوں سے بچے، پھر دنیا مضر نہیں۔ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دنیا کی تعریف ہے اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جانا، یہ کپڑا، یہ سونا، یہ بیوی اور یہ بچے دنیا نہیں، اگر اللہ تعالیٰ سے اور آخرت سے غفلت ہے تو یہ دنیا مذموم ہے اور اگر یہ غفلت نہیں ہے تو پھر خواہ مال و دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں، تب بھی وہ دنیا مذموم نہیں۔

کیا اہل دنیا سب کافر ہیں؟

ایک بزرگ کا شعر ہے کہ۔

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند
ہر دم اندر بق بق و در چق چق اند

اس شعر پر اشکال ہوتا ہے کہ ان بزرگ نے اہلِ دنیا کو کافر قرار دیدیا کہ یہ سب کافر ہیں اور ہر وقت دنیا کے بارے میں بق بق اور چق چق میں لگے رہتے ہیں۔

اس شعر کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ اہل دنیا سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا سے اتنا تعلق قائم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہو گئے اور واقعی کفر اختیار کرلیا۔

دوسری توجیہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب وغریب فرمائی

ہے، فرمایا کہ اس شعر میں یہ جو کہا کہ ''اہل دنیا کافران مطلق اند'' اس میں لفظ ''اہلِ دنیا'' خبر مقدم ہے اور ''کافران مطلق اند'' مبتدا مؤخر ہے، لہٰذا اس شعر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل دنیا مطلق کافر ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ''کافرانِ مطلق اہلِ دنیا ہیں''

''غفلت'' کا نام دنیا ہے

بہر حال! دنیا کی مال و دولت اور دنیا کے اسباب کا نام ''دنیا'' نہیں، بلکہ دنیا نام ہے اللہ تعالیٰ سے غفلت کا، اللہ تعالیٰ کے دین سے غفلت کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے سے غفلت کا۔ اگر یہ غفلت نہ ہو تو پھر یہی دنیا آخرت کے لئے معین بن جاتی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی تو اپنے نفس کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، اپنی بیوی کے حقوق، اپنے بچوں کے حقوق اور ملنے جلنے والوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، اب اگر ان حقوق کی ادائیگی کی خاطر دنیا کما رہے ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔ لہٰذا یہ کمانا کوئی غفلت نہیں اور دنیائے مذموم نہیں، بلکہ ایسی دنیا کے بارے میں فرمایا:

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۔ (سورۃ الجمعۃ، آیت ۱۰)

یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔ دنیا کو ''فضل اللہ'' سے تعبیر فرمایا، کیونکہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ حقوق کی ادائیگی کے لئے دنیا تلاش کر رہا ہے تو وہ فضل اللہ ہے، وہ دنیائے مذموم نہیں، بلکہ دین ہے اور آخرت کے

لئے متعین ہے۔

بیوی سے محبت عین دین ہے

اور حضرت والا نے یہ جو فرمایا کہ بیوی سے محبت عین مطلوب ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً۔

(سورۃ الروم، آیت ۲۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان محبت اور شفقت پیدا فرمائی۔ لہٰذا اس محبت کو خود اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں اس کا حکم دیا ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

خیار کم خیار کم لنساء هم وانا خیار کم لنسائی۔

(ترمذی، کتاب النکاح، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا)

یعنی تم (لوگوں) میں بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنی بیویوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا

(بخاری، کتاب النکاح، باب المدارۃ مع النساء)

یعنی عورتوں کے بارے میں اچھا سلوک کرنے کی وصیت کو قبول کرلو۔ لہٰذا جب ان احکام کی تعمیل میں کوئی شخص اپنی بیوی سے محبت کر رہا ہے تو وہ دنیا نہیں بلکہ

عین دین ہے اور مطلوب ہے۔

تقویٰ بڑھنے سے بیوی سے محبت زیادہ ہوتی ہے

لہٰذا حضرت والا نے فرمایا کہ جب انسان کے اندر تقویٰ بڑھتا ہے تو بیوی سے محبت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حقوق میرے ذمے عائد کئے گئے ہیں، لہٰذا میں ان کو ادا کرنے کا پابند ہوں، اس لئے جب وہ اس نیت سے ان حقوق کو ادا کرے گا تو ثواب ملے گا۔

ہماری اور ان کی محبت میں فرق

اسی وجہ سے جتنے اولیاء کامل ہوتے ہیں، وہ اپنے بیوی بچوں سے محبت بھی بھرپور کرتے ہیں، اور ہم بھی اپنے بیوی بچوں سے محبت کرتے ہیں، البتہ ہم اتنی محبت نہیں کرتے جتنی محبت وہ کرتے ہیں، لیکن ہماری محبت میں اور اولیاء کرام کی محبت میں بڑا فرق ہے، اگرچہ دیکھنے میں ایک جیسی محبت معلوم ہوتی ہے کہ ہم بھی محبت کر رہے ہیں اور وہ بھی محبت کر رہے ہیں، ہم بھی بچوں سے کھیل رہے ہیں اور وہ بھی بچوں سے کھیل رہے ہیں، ہم بھی بیوی سے تعلق کا اظہار کر رہے ہیں اور وہ بھی کر رہے ہیں، لیکن حقیقت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

ان کی محبت اداء حقوق کیلئے ہے

وہ فرق یہ ہے کہ ہم لوگ دنیاوی لذت کی وجہ سے محبت کرتے ہیں، مثلاً ہم لوگ اگر بچوں سے کھیل رہے ہیں تو اس لئے کھیل رہے ہیں کہ اس میں مزہ

آ رہا ہے، یا بیوی سے ہم تعلق اس لئے قائم کئے ہوئے ہیں کہ وہ موجب لذت ہے۔ اور اولیاء اللہ اس لئے محبت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا حق ہم سے وابستہ کر دیا ہے اور ان اولیاء اللہ کو ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہی نور محسوس ہوتا ہے اور وہی برکات محسوس ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرتے وقت محسوس ہوتے ہیں۔ اس لئے ہمارے تعلق اور ان کے تعلق میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ازواج مطہرات سے خوش طبعی پر تعجب

میں نے اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ ایک دن حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ پہلے مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے کس طرح ایسی خوش طبعی کی باتیں کرلیا کرتے تھے جیسا کہ روایات میں آتی ہیں۔ مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ دوڑ لگا رہے ہیں اور اپنے کندھے کے پیچھے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کھڑا کرکے حبشیوں کے کرتب دکھا رہے ہیں اور رات کو گیارہ عورتوں کی کہانی سنا رہے ہیں۔ جس ذات کا رابطہ اللہ جل شانہ کے ساتھ قائم ہو، جس پر وحی نازل ہو رہی ہو، ملائکہ اس پر اتر رہے ہوں اور ملأ اعلیٰ کے ساتھ اس کا رشتہ جڑا ہوا ہو، وہ ذات ایسی دنیا کی حقیر چیزوں کی طرف کیسے متوجہ ہو جاتی ہے؟ اس پر مجھے تعجب ہوتا تھا۔

یہ دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں

بعد میں فرمایا کہ الحمدللہ، اب سمجھ میں آنے لگا کہ یہ دونوں کام ایک ساتھ ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ بیوی بچوں کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے، درحقیقت اس کی نوعیت بدلی ہوئی ہے، اس طرح کہ وہ معاملات بھی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی تجلّیات کا مظہر ہیں، کیونکہ جب نیت درست کر لی تو اب دنیا کے سارے کاموں میں بھی وہی نور ہے جو خالص عبادات میں ہے۔

قطبی پڑھ کر ایصال ثواب کرنا

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنا کہ وہ ایک دن قطبی کا سبق پڑھا رہے تھے جو منطق کی کتاب ہے، درس کے دوران ایک صاحب نے آکر کہا کہ میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے، ایصال ثواب کی درخواست ہے۔ حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور دعا شروع کر دی کہ یا اللہ! ہم جو یہ سبق پڑھ رہے ہیں، اس کا ثواب ان کو پہنچا دیجئے۔ وہ صاحب بڑے حیران ہوئے کہ قطبی کا بھی ایصال ثواب ہوتا ہے، قرآن شریف یا حدیث شریف پڑھ کر ایصال ثواب کرتے تو بات سمجھ میں آجاتی، یہ قطبی پڑھ کر ایصال ثواب کیسے؟ حضرت نے فرمایا کہ میاں! اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نیت درست ہو تو میرے نزدیک بخاری شریف اور قطبی کے ثواب میں کوئی فرق نہیں، جو ثواب بخاری شریف میں ہے،

وہی ثواب قطبی میں بھی ہے۔ انشاء اللہ۔

ملا حسن کے درس میں دل سے اللہ اللہ جاری تھا

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ میرے دادا حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے پاس منطق کی کتاب ''ملا حسن'' کا سبق پڑھا کرتے تھے، اس سبق میں ہم اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے کہ ان کے قلب سے ''اللہ اللہ'' کی آواز آرہی ہے۔ منطق کے سبق میں یہ بات ہوتی تھی جس کو کہنے والوں نے ''گندگی'' تک کہدیا، گویا کہ اس سبق میں بھی انوار و برکات تھے، کیونکہ نیت درست تھی اور طریقہ درست تھا۔

اتباع سنت کو اختیار کرلو

اللہ تعالیٰ ہماری نیتوں کو درست فرمادے، آمین۔ ہر چیز میں اتباع سنت کی نیت ہو کیونکہ ''سنت'' تمام زندگی کے کاموں پر حاوی ہے، جو کچھ کرو گے کہیں نہ کہیں سنت سے رشتہ مل جائے گا، لہٰذا ہر کام میں اتباع سنت کی نیت کرو تو بالآخر دنیا کے سارے کام بھی دین بن جائیں گے اور ان کے اندر بھی وہ انوار و برکات حاصل ہوں گے جو عبادات میں ہوتے ہیں اور پھر وہ دنیائے مذموم میں داخل نہ ہوں گے۔

اس کیلئے مشق کی ضرورت ہے

لیکن اس کے لئے مشق کرنی پڑتی ہے۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مدتوں میں نے اتباع سنت کی مشق کی ہے، مثلاً کھانا سامنے آیا، کھانا لذیذ ہے، بھوک لگی ہوئی ہے، کھانے کو دل چاہ رہا ہے، لیکن ایک لمحہ کے لئے دل میں یہ ارادہ کیا کہ دل چاہنے پر کھانا نہیں کھائیں گے، پھر دوسرے لمحے یہ بات ذہن میں لائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ذمے ہمارے نفس کا حق رکھا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کھانا سامنے آتا تو شکر کرتے ہوئے کھانا تناول فرمالیا کرتے تھے، اب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع میں کھاؤں گا، پھر ''بسم اللہ'' پڑھ کر کھانا شروع کر دیا۔ چونکہ نیت درست ہوگئی، اس لئے اب وہ کھانا دنیا نہ رہا بلکہ دین بن گیا۔

ہر عمل کو دین بنالیں

یا مثلاً گھر کے اندر داخل ہوئے اور بچہ کھیلتا ہوا اچھا لگا، دل چاہا کہ اس کو گود میں اٹھا کر پیار کروں، لیکن ایک لمحہ کے لئے رک گئے اور یہ سوچا کہ دل کے چاہنے پر یہ کام نہیں کریں گے، پھر دوسرے لمحے یہ خیال لائے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ پیار فرماتے تھے، اب میں بھی آپ کی اتباع میں بچے کو اٹھا کر پیار کروں گا، پھر بچہ کو گود میں اٹھا کر پیار کرلیا تو یہ عمل

بھی اتباع سنت کے نتیجے میں دین بن گیا۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ صبح سے لے کر شام تک کی زندگی کے معمولات میں کوئی کام ایسا نہیں ہے جس کو حسن نیت سے اتباع سنت اور دین کا کام نہ بنایا جاسکے، جب اتباع سنت کی نیت سے وہ کام کرو گے تو وہی دنیا دین بن جائے گی، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۵۹

غفلت اور اس کا علاج

غفلت کا علاج ۔ مسنون دعائیں

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز

۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس نمبر ۵۹

غفلت اور اس کا علاج

غفلت کا علاج "مسنون دعائیں"

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

کونسی غفلت مذموم ہے؟

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

غفلت مذموم سے مراد یہ ہے کہ بے شغلی کی حالت میں حق تعالیٰ سے بے توجہ رہے اور ایسا شغل جو مانع ہو توجہ الی اللہ سے بلا ضرورت اختیار کرے۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۶)

یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ انسان کو اللہ جل شانہ سے غفلت نہ ہونی چاہئے، اس سے کیا مراد ہے؟ کس قسم کی غفلت نہ ہونی چاہئے؟ اس ملفوظ میں حضرت والا نے اس غفلت کی تشریح فرمائی ہے کہ دو چیزیں اس غفلت کے اندر داخل ہیں۔

فراغت کے وقت توجہ الی اللہ نہ ہونا غفلت ہے

ایک یہ کہ بے شغلی کی حالت میں حق تعالیٰ سے بے توجہ رہے۔ یعنی جب آدمی بالکل فارغ بیٹھا ہوا ہے، کوئی کام نہیں کر رہا ہے، اس فارغ وقت میں اللہ تعالیٰ کا کبھی بھی خیال نہ آئے اور اس بے شغلی اور فراغت کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر و فکر یا اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والی چیزوں کے ذکر و فکر کا خیال نہ آئے، بلکہ فراغت کی حالت میں بس دنیا ہی کی طرف متوجہ رہے، دنیاوی مال و دولت کی طرف، دنیاوی اسباب کی طرف، دنیاوی لذتوں کی طرف اور

دنیاوی شہوات کی طرف متوجہ رہے، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نہ ہو، ایک حالت تو یہ ہے۔

توجہ الی اللہ سے مانع مشغلہ اختیار کرنا غفلت ہے

دوسری حالت یہ ہے کہ انسان قصد و اختیار سے ایسا مشغلہ اختیار کرے جو توجہ الی اللہ سے مانع ہو۔ توجہ الی اللہ میں سب سے زیادہ مانع اللہ تعالیٰ کی معصیت، گناہ اور مبادی گناہ اور مقدمات گناہ ہوتے ہیں، ان کو کوئی انسان بلاضرورت اختیار کرلے تو یہ حالت بھی غفلت کے اندر داخل ہے۔ مثلاً ایک کام مباح ہے، لیکن اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس مباح کام میں مشغول ہونے سے توجہ الی اللہ ختم ہو جائے گی اور غالب گمان یہ ہے کہ یہ مباح کام میں مشغولی گناہ کے اندر بھی مبتلا کردے گی۔

غافلوں میں بیٹھنا غفلت ہے

فرض کریں کہ ایک بے فکر آزاد منش اور آخرت سے غافل لوگوں کا اجتماع ہے اور کوئی شخص بلاضرورت اس اجتماع میں جانے کا ارادہ کرلے، جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ یہ ایسے لوگوں کا اجتماع ہے جو آخرت سے غافل ہیں اور اس اجتماع میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ اور آخرت کے ذکر و فکر ہونے کا کوئی امکان نہیں بلکہ یہ خیال ہے کہ لوگ وہاں پر معصیتوں میں مبتلا ہوں گے تو اس صورت میں اگر کوئی شخص بلاضرورت اپنے اختیار سے وہاں چلا گیا تو اس نے

خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری، اس شخص کا یہ عمل بھی غفلت کے اندر داخل ہے۔

دنیاوی کام غفلت پیدا کرتے ہیں

انسان کی فطرت اور سرشت اس طرح کی بنائی گئی ہے کہ وہ ابتداءً گناہوں اور معصیتوں کی طرف مائل ہوتی ہے، اور یہی گناہ کا میلان انسان کو فرشتوں سے ممتاز کرتا ہے، اگر یہ میلان نہ ہوتو پھر انسان اور فرشتے میں کوئی فرق باقی نہ رہے، اور ساتھ میں انسان کو یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اس دنیا کے اندر رہو اور اس کو برتو اور کھاؤ اور کماؤ، بیوی بچوں کے ساتھ بھی رہو، لیکن خبردار! گناہ مت کرنا۔ لیکن جب آدمی دنیا کے کاموں کے لئے نکلتا ہے تو دنیا کے کاموں کی خاصیت یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ انسان کے اندر غفلت پیدا کرتے ہیں۔

دعائیں پڑھنا غفلت سے نکال دیتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیے کہ آپ نے ایک ایسا طریقہ بتا دیا کہ اگر اس پر عمل کرو گے تو پھر دنیا کے یہ کام تمہیں غافل نہیں کر پائیں گے۔ وہ طریقہ یہ بتا دیا کہ ہر قدم پر اور ہر کام سے پہلے ایک ایک دعا تلقین فرما دی، فرمایا کہ جب صبح کو بیدار ہو تو یہ دعا پڑھو، جب گھر سے نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب بازار میں جاؤ تو یہ دعا پڑھو، جب کھانا سامنے آئے تو یہ دعا پڑھو، جب کھانا

کھا چکو تو یہ دعا پڑھو، جب پانی پیو تو یہ دعا پڑھو، جب بیت الخلاء میں جاؤ تو یہ دعا پڑھو، جب بیت الخلاء سے باہر نکلو تو یہ دعا پڑھو، جب سونے کے لئے بستر پر لیٹو تو یہ دعا پڑھو، یہاں تک فرمایا کہ جب میاں بیوی کے تعلقات قائم کرو تو یہ دعا پڑھو۔ یہ تمام مسنون دعائیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہیں، ان کا مقصد یہ ہے کہ یہ جو انسان دنیا کے کام دھندوں میں لگنے کی وجہ سے غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس کو اس غفلت سے بچایا جائے۔ جو آدمی ہر کام سے پہلے ایک دعا پڑھ رہا ہے تو ایسے شخص کو یہ دنیا اللہ تعالیٰ سے کیسے غافل کر دے گی، ایسے شخص کو یہ دنیا غافل نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ تو ہر موقع پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے کا نام غفلت ہے

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھلا دینے اور اللہ تعالیٰ تک لے جانے والے اعمال و افعال کو بھلا دینے کا نام ''غفلت'' ہے، اس غفلت کا بہترین علاج ''مسنون دعائیں'' ہیں، یہ مسنون دعائیں معمولی چیز نہیں ہیں، لیکن ہم جیسے لوگوں نے جب یہ پڑھ لیا کہ یہ مسنون دعائیں پڑھنا مستحب ہے، اور ''مستحب'' کے بارے میں یہ اصول پڑھ لیا کہ جس کے کرنے سے ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا، لہٰذا ہمیں مسنون دعائیں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس وجہ سے مولوی صاحبان کو ان دعاؤں کے پڑھنے کا اہتمام نہیں ہوتا، کیونکہ دل میں اس کی اہمیت نہیں۔ یہ صورت کسی

طرح بھی مناسب نہیں۔

مستحب اور مندوب کام بھی کرنے چاہئیں

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے تھے کہ ایک مرتبہ اذان ہو رہی تھی، ایک عالم صاحب نے بات چیت شروع کر دی، کسی نے کہا کہ حضرت اذان ہو رہی ہے، ذرا بات چیت موقوف کرلیں، تو جواب میں ان عالم صاحب نے فرمایا کہ ہاں! ہمیں سب پتہ ہے، اذان کا جواب دینا کوئی فرض و واجب نہیں ہے۔ گویا کہ جو چیز فرض و واجب نہیں وہ قابل اہتمام بھی نہیں، اس کی کوئی فضیلت ہی نہیں۔ ایسا علم بڑا خوشکی والا علم ہے جو صرف ضابطے کے کام کرادے، آگے محبت کے جو تقاضے ہیں اور عشق کے جو تقاضے ہیں، ان کی طرف دھیان نہیں۔

تبلیغ میں نکلنے سے دعائیں یاد ہو جاتی ہیں

لوگ تبلیغی جماعتوں میں جاتے ہیں، وہاں چند دن رہنے سے دعائیں یاد ہو جاتی ہیں، اس لئے کہ وہاں ہر آدمی دعائیں خود بھی پڑھتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے۔ لیکن عام طور پر لوگوں کو دعائیں یاد نہیں ہوتیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ فکر نہیں، ارے بھائی! جب دین سیکھنے کے لئے نکلو گے اور اس دین کے جو اہم تقاضے ہیں، ان پر عمل کرو گے تو دعائیں یاد ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے یہ فضل فرمایا کہ ان دعاؤں کو فرض و واجب نہیں کیا، کیونکہ اگر فرض و واجب ہو جاتیں تو تم مشقت میں مبتلا ہو جاتے، لیکن ان دعاؤں کا فائدہ بڑا دور رس

ہے، اس کا انسان اندازہ نہیں کر سکتا۔

مسنون دعائیں اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں

اولاً یہ دعائیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک مرحلے پر مانگیں ہیں، ایسی دعائیں ہیں کہ اگر انسان ساری عمر سجدے میں پڑا رہے تب بھی اس کو ایسی دعائیں مانگنے کی توفیق نہ ہو، اگر ان دعاؤں میں سے ایک دعا بھی صحیح معنی میں قبول ہوگئی تو انسان کا بیڑہ پار ہو جائے۔ اور پھر ان دعاؤں کے پڑھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توفیق ہو جاتی ہے اور دنیاوی کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے جو غفلت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، اس غفلت سے انسان کو بچاتی ہیں۔

غفلت بڑی بلا ہے

لہٰذا یہ ''غفلت'' بہت بڑی بلا ہے، اللہ بچائے، اگر انسان سے غلطی ہو جائے یا گناہ سرزد ہو جائے تو اس میں اتنی تشویش کی بات نہیں، توبہ کرلو گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ معاف ہو جائے گا، لیکن ''غفلت'' کہ گناہ کئے جا رہا ہے اور تنبہ نہیں ہو رہا ہے اور نہ کبھی یہ خیال آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوں گا تو کیا جواب دوں گا؟ آخرت کی فکر نہیں۔ یہ سب ''غفلت'' کا نتیجہ ہے، اس لئے یہ ''غفلت'' بہت بڑی بلا ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔ اس بلا سے بچنے کا بہترین طریقہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دعاؤں کی صورت میں ہمیں بتا دیا، یہ دعائیں اس بلا سے نکالتی ہیں، یہ دعائیں معمولی چیز نہیں۔ لہٰذا ان دعاؤں کا اہتمام کریں، خود بھی یاد کریں اور بچوں کو بھی یاد کرائیں کہ ہر ہر مرحلہ پر کیا دعا مانگنی چاہیے، دعاؤں کی کتابیں چھپی ہوئی ہیں، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب ''مناجات مقبول'' کے نام سے چھپی ہوئی ہے، یہ ابھی ایک رسالہ ''پُرنور دعائیں'' کے نام سے چھپا ہوا ہے اس میں مسنون دعاؤں کو جمع کر دیا ہے۔ جو آدمی بھی ان دعاؤں کے پڑھنے کا عادی ہوگا اور اس کی زبان پر یہ دعائیں چڑھی ہوئی ہوں گی، وہ شخص کبھی بھی غفلت کا شکار نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

انگلینڈ میں اسکول کے بچے اور مسنون دعائیں

ایک مرتبہ میرا ''انگلینڈ'' جانا ہوا، انگلینڈ کے صوبہ اسکاٹ لینڈ کا ایک شہر ہے گلاسگو، وہاں جانا ہوا، وہاں کے لوگوں نے یہ پروگرام رکھا کہ پورے ''اسکاٹ لینڈ'' میں مسلمانوں کے جتنے اسکول ہیں، ان سب کا کنونشن بلایا جائے اور اس کنونشن میں تمام بچوں کو جمع کیا جائے، اور مجھے بھی دعوت دی کہ آپ اس کنونشن کی صدارت کریں اور اس میں کچھ نصیحتیں فرمادیں، میں نے منظور کرلیا۔ چنانچہ اس کنونشن میں پورے اسکاٹ لینڈ کے اسکولوں کے مسلمان بچے جمع ہوئے جو ڈھائی تین ہزار کے قریب تھے اور ایک بہت بڑا اجتماع تھا، میں بھی وہاں پہنچ گیا، مجھ سے انتظامیہ کے لوگوں نے کہا کہ یہ تقریباً

تین ہزار بچے ہیں، ہم نے تمام اسکولوں کی ایک فیڈریشن بنا رکھی ہے، وہ فیڈریشن مسلمان بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے کام کرتی ہے، اور ہم نے ان مسلمان بچوں میں دین کی عظمت اور محبت پیدا کرنے کے لئے بہت سے کام کئے ہیں۔ ایک کام یہ کیا ہے کہ ہم نے ان بچوں کو مسنون دعائیں یاد کرائی ہیں، یہ تین ہزار بچے آپ کے سامنے بیٹھے ہیں، آپ کسی بھی بچے سے جس وقت کی دعا چاہیں سن لیں۔

چنانچہ میں نے ایک بچے سے پوچھا کہ سوتے وقت کی کیا دعا ہے؟ اس نے فوراً کھڑے ہوکر دعا پڑھنی شروع کردی، دوسرے بچے سے بازار جانے کی دعا پوچھی تو اس نے وہ دعا فوراً سنا دی، وغیرہ، ہزاروں بچے تھے اور ہر بچے کو ساری دعائیں ازبر یاد تھیں، اور یہ بچے برطانیہ جیسے ملک کے رہنے والے تھے، اور مدرسوں کے بچے نہیں تھے بلکہ اسکولوں کے بچے تھے، مجھے خوشی بھی ہوئی اور رشک بھی آیا کہ یہ چیز تو ہمارے دینی مدارس کے طلبہ میں بھی موجود نہیں ہے جو چیز ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے۔

بچپن میں دعائیں سکھادیں

یاد رکھئے! جس بچے کو ابتدائی عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں پڑھنے کی توفیق ہوگئی اور اس کی عادت پڑگئی تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑا شیطان بھی اس کو گمراہ نہیں کرسکے گا، جب وہ بچہ زندگی کے معرکہ میں داخل ہوگا تو یہ دعائیں انشاء اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کریں گی۔ بہرحال!

''غفلت'' سے بچنے کا بہترین نسخہ ''مسنون دعائیں'' ہیں، اس کا اہتمام کرنے کی ہم سب کو فکر کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۶

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

دنیا بری نہیں، اس کی محبت بُری ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبد اللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ۶۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۶۰

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

دنیا بری نہیں، اس کی محبت بُری ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَأَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَأَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

أَمَّا بَعْدُ!

دنیا کمانا منع نہیں

ایک ملفوظ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

کسب دنیا ممنوع نہیں، البتہ اس کی محبت اور دل میں اس کی وقعت کرنا ممنوع ہے خواہ پیرایہ مذمت ہی میں ہو، کیونکہ جس چیز کی دل میں کچھ وقعت نہ ہو، اس کا ذکر مذمت سے بھی نہیں کیا جاتا۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۶)

یعنی کسب حلال کرنا اور دنیا کمانا منع نہیں، البتہ دو چیزیں منع ہیں، ایک دنیا کی محبت کا دل میں پالنا، یہ ممنوع ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی اس کا ذکر آچکا ہے کہ دنیا کی طبعی محبت جو غیر اختیاری طور پر انسان کے دل میں ہوتی ہے، وہ ممنوع نہیں، البتہ دنیا کی محبت کا اتنا زیادہ ہونا ممنوع ہے جو یا تو انسان کو گناہ اور معصیت پر آمادہ کردے یا انہماک میں مبتلا کردے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دعا

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں جب کسریٰ کے خزانے ان کے پاس آئے اور مسجد نبوی میں سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیے گئے، اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دعا فرمائی کہ یا اللہ! ہم آپ سے یہ دعا تو نہیں کرتے کہ اس مال کی محبت کو بالکلیہ ہمارے دل سے ختم فرمادے، کیونکہ آپ نے خود قرآن کریم میں فرمادیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ۔ (سورۂ آل عمران، آیت ۱۴)

یعنی انسان کے لئے شہوات کی محبّت کو مزیّن کر دیا گیا ہے، یعنی عورتوں کی محبت، اولاد کی محبّت، سونے چاندی کے ڈھیروں کی محبت، نشان زدہ گھوڑوں کی محبت، مویشیوں کی محبت، کھیتیوں کی محبت، گویا کہ یہ بات انسان کی سرشت میں داخل ہے کہ ان چیزوں کی کچھ نہ کچھ محبّت اس کے دل میں ہوگی، لہٰذا اس محبّت کو بالکلیہ زائل کرنے کی دعا تو نہیں کرتے، البتہ یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! یہ دنیا کی محبت کسی دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے اور یہ محبّت کسی گناہ پر آمادہ نہ کرے۔

دنیا کو دل و دماغ پر سوار کرنا بُرا ہے

بہرحال! اس دنیا کی وہ محبّت جو طبعی ہے اور غیر اختیاری ہے، وہ مذموم نہیں، لیکن اس محبّت کو دل میں اس طرح پالنا کہ ہر وقت دل و دماغ میں اسی دنیا کا تصور ہے، ہر وقت اسی کا خیال ہے، ایک تو ایسی محبت منع ہے۔

دنیا کی ''وقعت'' دل سے نکال دو

دوسرے یہ کہ دل میں دنیا کی ''وقعت'' پیدا کرنا منع ہے۔ وقعت کا

مطلب یہ ہے کہ اس دنیا کو بہت اہم سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ یہ دنیا اور اس کی اشیاء بڑی عظیم دولت ہیں، یا وہ صورت ہو جائے جیسی قارون کا خزانہ دیکھنے والوں کی ہوگئی تھی، قارون کا خزانہ دیکھ کر انہوں نے کہا:

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ، اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ (سورۃ القصص: آیت ۷۹)

یعنی کاش! ہمیں بھی ایسا ہی خزانہ مل جاتا جیسا خزانہ قارون کو ملا، یہ تو بڑا خوش نصیب ہے۔ ان کمبختوں کو دنیا تو کچھ نہیں ملی، لیکن یہ حسرت کر کے گناہ میں مبتلا ہوگئے۔ اس دنیا کی وقعت ان کے دلوں میں اتنی زیادہ تھی کہ دنیا کے مال و دولت ہونے کو خوش نصیبی قرار دیدیا۔

وہ شخص بڑا بدنصیب ہے

دیکھئے! اگر کسی شخص کو دنیا مل گئی اور اس نے اس دنیا سے نفع اٹھالیا اور مزے اڑا لئے اور اس سے کچھ لذت حاصل کر لی، چلو اگر گناہ بھی کرلیا تو کچھ لذت تو حاصل کر لی، لیکن وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جس کو ملا تو کچھ نہیں اور دنیا کی حسرت ہی کرتا رہا، اور ایسی حسرت کی جس کے نتیجے میں دنیا کی وقعت اور عظمت اس کے دل میں پیدا ہوگئی، یہ وقعت اور عظمت بھی بڑی خراب چیز ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

کسی نے خوب کہا کہ "بئس الفقیر علی باب الامیر" "فقیر" سے مراد درویش اور صوفی ہے یعنی جو صوفی کسی امیر کے دروازے پر کھڑا ہو، وہ بُرا صوفی ہے، اس لئے بُرا ہے کہ وہ "خسر الدنیا والآخرۃ" کا مصداق ہے کہ دنیا میں بھی کچھ نہ ملا، دوسروں کا محتاج رہا، اور چونکہ وہ امیر کے دروازے پر کھڑا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں امیر کی امارت کی "وقعت" ہے جس کے نتیجے میں اس کو آخرت میں بھی کچھ نہیں ملے گا۔

دنیا کی وقعت بڑا فتنہ ہے

وہ تو بہت ہی گھٹیا انسان ہوگا جو مال کی محبت میں کسی گناہ کا ارتکاب کرلے، الحمدللہ اس بات سے تو اکثر مسلمان محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ لیکن "وقعت" والی بات ایسی ہے کہ اس میں بہت سے پاک باز لوگ بھی مبتلا ہیں، مثلاً جو مالدار ہے، اس کے مال کی وجہ سے اور اس کے پیسوں کی وجہ سے دل میں اس کی بڑی عزت ہے، اس کے پیچھے پھر رہا ہے، اس کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی فکر میں ہے، اس کے ساتھ تعلقات پر فخر کرتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے آدمی میرے حلقہ اعتقاد میں اور حلقہ ارادت میں ہیں، یہ "وقعت" والا فتنہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ ہم لوگ بکثرت اس کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں۔

مالداروں سے دوستی پر فخر کرنا

آج کل ہمارا علماء کا طبقہ اس کے اندر بہت مبتلا ہے، بڑے فخر سے یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں شخص تو ہمارا بے تکلف دوست ہے، اس کے ہاں ہمارا آنا جانا ہے۔ یہ فخر کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ وہ آدمی مالدار اور دولت مند ہے اور اس کے مال و دولت کی وجہ سے دل میں اس کی وقعت ہے، اور لوگوں کے سامنے جب یہ بیان کرتا ہے کہ میرا اس سے تعلق ہے اور میرا اس کے پاس آنا جانا ہے یا اس کا میرے پاس آنا جانا ہے اور اس سے تکلفی ہے تو اس بیان کرنے سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں کہ اس کے تو اتنے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ یہ سب اس بات کی علامت ہے کہ دل میں دنیا کی ''وقعت'' ہے، چنانچہ اگر کوئی آدمی فقیر و مسکین ہے، اس کے ساتھ اپنے تعلقات کو دوسروں کے سامنے بیان نہیں کرتا کہ میرا فلاں کے ساتھ تعلق ہے، وہ بڑا متقی پرہیزگار آدمی ہے، میں اس کے پاس آتا جاتا ہوں، اور دولت مند لوگوں سے تعلق کا ذکر ہو رہا ہے، معلوم ہوا کہ دولت کی وقعت دین سے بھی زیادہ ہے۔

سورۃ عبس کی ابتدائی آیات کا نزول کیوں ہوا؟

قرآن کریم کی یہ آیت: عَبَسَ وَ تَوَلّٰی اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۔

تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس بات سے کہ ان کے پاس اندھا آیا۔
(سورۃ عبس: ۱-۲)

یہ آیت کب نازل ہوئی تھی؟ یہ اس موقع پر نازل ہوئی تھی جب ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رؤساء کفار بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ ان کو اسلام کی دعوت فرما رہے تھے، اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی مسئلہ پوچھنے کے لئے تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے سوچا کہ یہ تو اپنا آدمی ہے، ہر وقت ان سے بات کی جاسکتی ہے، اور یہ لوگ رؤساء ہیں، دور سے آئے ہوئے ہیں، اگر ان کے دماغ میں اسلام کی صحیح سمجھ آگئی تو یہ اپنے قبیلہ والوں کے لئے بھی مؤثر ہوں گے۔ یہ سوچ کر آپ نے ان رؤساء کی طرف التفات فرمایا اور ان صحابی کی طرف سے بے التفاتی فرمائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی، حالانکہ بظاہر بالکل صحیح بات تھی کہ یہ صحابی تو گھر کے آدمی ہیں، جس وقت چاہیں گے مسئلہ پوچھ لیں گے، لیکن یہ رؤساء، جو کفر کے اندر مبتلا ہیں، میری نصیحت کے نتیجے میں شاید کفر سے باز آجائیں، لیکن بظاہر چونکہ رؤساء کی طرف التفات ہو رہا تھا اور غریب آدمی کی طرف سے بے التفاتی ہو رہی تھی، اس پر بھی عتاب ہوا، حالانکہ ذرہ برابر بھی اس بات کا دور دور تک شائبہ نہیں تھا کہ آپ کے دل میں دنیا کی دولت کی وقعت ہے، پھر بھی عتاب ہوگیا۔ جہاں دنیا کی وجہ سے لوگوں کی وقعت کی جا رہی ہو، مال و دولت کی وجہ سے وقعت کی جا رہی ہو، اللہ بچائے، یہ خطرناک بات ہے۔

سب سے زیادہ خوش نصیب انسان

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کے بہت سے مراتب ہیں۔ انسانوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب شخص وہ ہے جس کو دنیا تو ملی لیکن دنیا کی محبت نہ ملی، یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا خوب فراوانی کے ساتھ عطاء فرمائی، لیکن محبت نہ دی، دنیا کی حقیقت بھی اس کے ذہن نشین ہے کہ یہ دنیا ناپائیدار چیز ہے اور دھوکہ کا سامان ہے اور دنیا بھی خوب اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائی ہے، یہ شخص سب سے زیادہ خوش نصیب ہے۔

دوسرے نمبر کا انسان

دوسرے نمبر پر وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ تو دنیا دی اور نہ ہی دنیا کی محبت دی، فقر و فاقہ کے اندر زندگی گزار رہا ہے، لیکن دنیا کی طلب بھی دل میں نہیں ہے، وہ ایسا ہے بقول شخصے:

لنگ کے زیر و لنگ کے بالا
نے غمِ دزد و نے غمِ کالا

یہ شخص دوسرے نمبر پر ہے۔

تیسرے نمبر کا انسان

تیسرے نمبر پر وہ شخص ہے جس کو دنیا بھی ملی اور دنیا کی محبت بھی ملی،

اگرچہ دنیا کی محبت کی وجہ سے ممنوع امور اور گناہ کے دائرے میں داخل ہوا لیکن گناہ کے ساتھ کچھ لذت تو اٹھائی، دنیا کے مزے تو اڑائے، چلو دنیا تو ملی، آخرت نہ ملی۔

چوتھے نمبر کا انسان

چوتھے نمبر کا انسان سب سے خطرناک اور محروم ہے، یہ وہ شخص ہے جس کو دنیا کی محبت تو ملی لیکن دنیا نہ ملی، یعنی دنیا کی طلب ملی، دنیا کی خواہش ملی، دنیا کی محبت ملی، لیکن دنیا کا مال و دولت، جاہ و منصب وغیرہ کچھ نہیں ملا، گویا کہ صرف حسرت ہی حسرت ملی کہ اگر مجھے یہ مال مل جاتا تو یہ کر لیتا، ایسی گاڑی مل جاتی، ایسی کوٹھی مل جاتی، لیکن ساری عمر خالی ہاتھ گزار دی، ملا کچھ بھی نہیں، یہ ہے:

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ

دنیا و آخرت دونوں گنوا دی،

(سورۃ الحج:۱۱)

اس لئے کہ دنیا کی طلب اور محبت کی وجہ سے گناہ گار ہو گیا، اس طرح آخرت گئی اور چونکہ مال و دولت نہیں ملا، اس لئے نہ دنیا کی لذت اٹھائی اور نہ مزے اڑائے، اس طرح دنیا بھی نہ ملی۔ بہر حال! دلوں میں جو دنیا کی وقعت پیدا ہو گئی ہے، وہ اتنی خطرناک ہے کہ یہ ''وقعت'' کہیں ہمیں اور آپ کو ''خسر الدنیا و الآخرۃ'' کا مصداق نہ بنا دے۔

دمشق کے ایک بزرگ کا واقعہ

شام کے شہر ''دمشق'' میں ایک بزرگ بڑے اللہ والے تھے، درویش صفت تھے، مسجد میں پڑے ''اللہ اللہ'' کرتے رہتے تھے، لوگ ان کے پاس ملاقات اور دعا کے لئے آیا کرتے تھے، آہستہ آہستہ ان کی خبر دمشق کے گورنر تک پہنچ گئی کہ یہ بڑے اللہ والے بزرگ ہیں اور مستجاب الدعوات ہیں، لوگ ان کے پاس دعائیں کرانے آتے ہیں، جو دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتے ہیں۔ گورنر کے دل میں خیال آیا کہ جاکر ملاقات کرنی چاہئے اور دعا کرانی چاہئے۔ یہ جو بادشاہ اور بڑے بڑے عہدوں والے جب کسی بزرگ کے پاس جاتے ہیں تو ان کا مقصد اپنی اصلاح کرانا نہیں ہوتا بلکہ اس بات کی دعا کرانا پیش نظر ہوتا ہے کہ ہماری حکومت قائم رہے وغیرہ۔ بہرحال! وہ گورنر ایک اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان بزرگ کے پاس آ گیا، وہ بزرگ تکیہ لگائے ہوئے اور پاؤں پھیلائے ہوئے لیٹے ہوئے تھے، جب وہ گورنر قریب آیا تب بھی وہ اپنے پاؤں پھیلائے لیٹے رہے، لوگوں نے بتایا کہ گورنر صاحب آئے ہیں، مگر وہ جس حالت میں لیٹے ہوئے تھے، ویسے ہی لیٹے رہے، گورنر کو بڑا تعجب ہوا، اس لئے کہ اس نے آج تک کبھی یہ منظر نہیں دیکھا تھا کہ میں کسی کے پاس ملاقات کے لئے جاؤں اور وہ پاؤں پھیلا کر لیٹا رہے، میری تعظیم میں کھڑا نہ ہو، نہ اکرام کرے۔ بہرحال! گورنر نے ملاقات کی اور سلام کیا اور دعا کی درخواست کی، ان بزرگ نے لیٹے لیٹے ہی سلام کا جواب دیا اور دعا دی اور کچھ

نصیحت کے ایسے کلمات کہے جو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی فکر پر مشتمل تھے، اس کے دل پر ان نصیحتوں کا اثر ہوا اور اس کے بعد وہ گورنر چلا گیا۔

جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا

اس گورنر نے واپس جا کر اشرفیوں کی ایک تھیلی ہدیہ کے طور پر ان بزرگ کی خدمت میں بھیجی، جب تھیلی لانے والا شخص آیا تو ان بزرگ نے پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ ان صاحب نے کہا کہ گورنر صاحب نے آپ کے لئے یہ تھیلی بھیجی ہے، ان بزرگ نے فرمایا کہ اس کو واپس لے جاؤ اور ان سے کہہ دینا کہ:

إن الذی یمدّ رِجله لا یمدّ یده

کہ جو آدمی پاؤں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، یہ کہہ کر واپس کر دیا۔

ان کا یہ عمل قابل تقلید نہیں

اس واقعہ کے بارے میں ایک بات کی وضاحت کر دوں، وہ یہ کہ جب وہ گورنر ملاقات کے لئے آیا تو وہ بزرگ پاؤں پھیلائے لیٹے رہے اور کوئی حرکت نہیں کی، یہ درحقیقت اللہ والوں پر مختلف قسم کے واردات ہوتے ہیں جن میں ہر بات قابل تقلید نہیں ہوتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ آنے والے کا اکرام کیا جائے، چاہے وہ گورنر ہو یا فقیر ہو۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

اکرموا کریم کل قوم

یعنی اگر کوئی شخص صاحب منصب ہے تو اس کے منصب کی وجہ سے بھی اس کا اکرام کرو۔ لیکن چونکہ ان اللہ والوں پر بعض اوقات تکوینی طور پر واردات ہوتے ہیں کہ اس وقت اس شخص کے ساتھ یہی طرز عمل فائدہ مند ہوگا، اس کی وجہ سے وہ اللہ والے اس کے مطابق عمل کر لیتے ہیں، لیکن ان کا وہ طرز عمل قابل تقلید نہیں ہوتا، کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی بڑے شخص کی آمد کے موقع پر تم بھی پاؤں پھیلا کر لیٹ جاؤ۔ سنت جو قابل اتباع اور قابل تقلید ہے، وہ یہ ہے کہ ''اکرموا کریم کل قوم'' یعنی ہر قوم کے معزز آدمی کا اکرام کرو۔

وقعت کردار کی وجہ سے ہونی چاہئے

ان بزرگ نے یہ جملہ جو کہا کہ ''جو پاؤں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا'' اس کے معنی یہ ہیں کہ دل میں دنیا کی کوئی وقعت نہیں ہے، اگر تمہاری وقعت ہوگی تو وہ تمہارے عمل کی وجہ سے اور تمہارے کردار کی وجہ سے اور تمہارے تقویٰ کی وجہ سے ہوگی، لیکن تمہارے مال کی وجہ سے نہیں ہوگی، تمہاری دولت کی وجہ سے اور تمہارے منصب کی وجہ سے نہیں ہوگی۔ بس دل میں دنیا کی وقعت نہ ہو۔

یہ نازک کام ہے

دونوں کے درمیان توازن قائم کرنا بڑا نازک کام ہے، ایک طرف اس

حدیث ''اکرموا کریم کل قوم'' پر بھی عمل ہو جائے اور دوسری طرف دل میں دنیا کی وقعت بھی نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے دونوں کے درمیان توازن حاصل ہوسکتا ہے اور بزرگوں کی صحبت سے اور ان کے سامنے رگڑے کھانے سے یہ توازن حاصل ہوسکتا ہے۔

ایک دولت مند کے گھمنڈ کا واقعہ

صدر ایوب خان صاحب کا زمانہ تھا اور الیکشن ہو رہے تھے، اس الیکشن میں ایک بہت بڑے سرمایہ دار دولت مند بھی کھڑے ہوگئے، ان کے حلقے میں ''لسبیلہ'' بھی آ گیا جہاں اس وقت ہمارا مکان تھا، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علاقے میں ایک اثر تھا، اس لئے ان کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ حضرت مفتی صاحب کے پاس جا کر حمایت حاصل کی جائے، چنانچہ ایک دن وہ سرمایہ دار صاحب اپنے پورے لشکر کے ساتھ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے اور گھنٹی بجائی، میں دروازے پر گیا اور ملاقات کی تو انہوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں فلاں ہوں: اور، اس انداز سے اپنا نام بتایا کہ اس کا خیال تھا کہ میرا نام سن کر یہ اچھل پڑے گا کہ اتنا بڑا آدمی ملاقات کے لئے آیا ہے۔ میں نے نام سن کر کہا کہ فرمایئے کیا بات ہے؟ پھر اس نے دوبارہ کہا کہ میں فلاں ہوں اور مفتی صاحب سے ملنا ہے، میں نے کہا کہ یہ وقت تو مفتی صاحب سے ملنے کا نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر اس کا چہرہ دیکھنے کے قابل تھا کہ میں کسی کے گھر پر جاؤں اور وہ یہ کہہ دے کہ یہ ملنے کا وقت نہیں ہے۔ اس نے

پھر کہا کہ میں اتنی دور سے ملاقات کے لئے آیا ہوں، میں نے کہا کہ آنے سے پہلے آپ کو چاہئے تھا کہ وقت معلوم کر لیتے کہ ملاقات کے اوقات کیا ہیں۔ بہرحال! وہ بڑا سیخ پا ہوا اور کہا کہ آپ کون ہیں؟ میں نے کہا کہ میں ان کا بیٹا ہوں، اس نے کہا کہ میں مفتی صاحب سے شکایت کروں گا، آپ نے میرے ساتھ بد اخلاقی کی ہے، میں نے کہا کہ جب آپ ملاقات کے لئے تشریف لائیں تو شکایت کر دیجئے گا۔ چنانچہ پھر اس نے وقت لیا اور دوبارہ ملاقات کے لئے آیا۔

اس وقت اس نے آکر شکایت بھی کی کہ میں پچھلی مرتبہ بھی آیا تھا لیکن ملاقات نہیں ہوئی، اور پھر یہ پیش کش کی کہ آپ کا دارالعلوم کہاں ہے؟ میں دارالعلوم میں یہ بنوا دوں گا اور وہ بنوادوں گا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے، ''الحمد للہ'' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مسلمان ایک ایک دو دو روپیہ جو چندہ دیتے ہیں، اس سے کام چل جاتا ہے اور اس میں بڑی برکت ہے، اس کے علاوہ ہمیں کوئی حاجت نہیں، بڑا ہی ناکام اور نامراد ہو کر واپس گیا۔ بہرحال! اس کے دماغ میں یہ بات تھی کہ میرا نام سنتے ہی اس پر لرزہ طاری ہو جائے گا، اس قسم کی کیفیت اس پر طاری تھی۔

دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں

اگر دنیا کی حقیقت ذہن نشین ہو جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی کہ:

لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة

ماسقى كافراً منها شربة

(ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی ھوان الدنیا علی اللہ)

یعنی اگر یہ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی وقعت رکھتی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس دنیا کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا۔ بس دنیا کی یہ حقیقت ذہن نشین ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل میں یہ حقیقت بٹھادے۔ آمین۔

دنیا ایک ضرورت ہے

البتہ دنیا ایک ضرورت ہے، ضرورت کے تحت ہم دنیا کو استعمال کر سکتے ہیں، جیسے بیت الخلاء ہے، گھر کے اندر اس کی ضرورت ہے، لیکن بیت الخلاء کی اتنی وقعت نہیں کہ ہر وقت وہ بیت الخلاء دل ودماغ پر چھا جائے، یہی معاملہ دنیا کے ساتھ کرنا نہیں چاہئے کہ اس کی ضرورت تو ہے اور ضرورت کے تحت اس کو برتنا بھی ہے لیکن اس کی عظمت اور وقعت دل میں نہیں ہونی چاہئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے کہ یا اللہ! ہمیں دنیا دے ضرورت کے مطابق بلکہ خواہش کے مطابق بھی دے، لیکن اس کی محبت اور وقعت نہ دے۔

امام زہریؒ اور دنیا کی بے وقعتی

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ بڑے اونچے درجے کے محدثین میں سے ہیں،

ان کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کے شاگرد کہتے ہیں۔

مارأيت احداً الدنيا أهون عنده منه

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت بھی عطاء فرمایا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کے شاگرد فرماتے ہیں کہ میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کی نظر میں دنیا اتنی بے حقیقت ہو جتنی بے حقیقت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تھی، پھر آگے فرماتے ہیں۔

كانت الدراهم عنده بمنزلة البعر

دراہم ان کی نظر میں ایسے تھے جیسے بکری کی مینگنیاں یعنی ان دراہم کی کوئی وقعت ہی نہیں تھی، دراہم آئیں تو اچھا ہے نہ آئیں تو بھی کوئی پرواہ نہیں۔ اور جب دراہم آتے تو لوگوں میں ان کو اس طرح تقسیم کر دیتے کہ خود بالکل خالی ہاتھ ہو جاتے۔ دنیا اللہ تعالیٰ عطا فرمائے مگر اس کی محبت اور وقعت نہ ہو۔

حضرت لیث بن سعدؒ اور دنیا

حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بڑے درجے کے محدثین میں سے بھی ہیں اور فقہاء مجتہدین میں سے بھی ہیں، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کی روزانہ کی آمدنی کئی کلو سونے کے برابر تھی، اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت عطا فرمائی تھی، لیکن زندگی بھر زکوۃ واجب نہ ہوئی، کیونکہ مال نصاب پر سال نہیں گزرنے پاتا تھا، اُدھر مال آیا، اِدھر آگے دیدیا، جو مال آیا تو کبھی کسی دوست کو بھیج دیا، کبھی کسی عزیز رشتہ دار کو بھیج دیا، کبھی کسی عالم کی خدمت میں ہدیہ پیش

کر دیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات فرمائی تھی کہ سب سے خوش نصیب وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ دنیا دے لیکن دنیا کی محبت نہ دے، یہ انہی میں سے تھے، کیونکہ ان کو دنیا ملی لیکن دنیا کی محبت اور وقعت نہ ملی۔

حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت میاں جی نور محمد رحمۃ اللہ علیہ جو ہم سب کے سید الطائفہ تھے، ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب بازار جاتے تو اپنے ساتھ پیسوں کی ایک تھیلی رکھ لیتے، جب کسی دکان سے کوئی چیز خریدتے تو وہ تھیلی دکاندار کو دے دیتے اور اس سے فرماتے کہ اس تھیلی میں سے اپنے پیسے لے لو۔ ان کا خیال یہ تھا کہ کون تھیلی میں سے پیسے نکال کر اس کو گننے کے چکر میں پڑے، اتنی دیر میں دس مرتبہ "سبحان اللہ یا دس مرتبہ "الحمدللہ" کہہ لیں گے، اتنا وقت کیوں پیسے گننے میں صرف کیا جائے۔

ایک چور کا واقعہ

ایک مرتبہ وہ اپنی تھیلی لئے جا رہے تھے کہ کسی چور نے تاڑ لیا کہ ان کے پاس پیسوں کی تھیلی ہے، چنانچہ وہ چور پیچھے سے آیا اور ہاتھ میں سے تھیلی چھین کر بھاگ گیا، انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ وہ تھیلی کون چھین کر لے جا رہا ہے، چھین لی تو بس چھین لی، یہ اپنا ذکر کرتے ہوئے گھر آ گئے، سوچا کہ کون یہ تفتیش کرے کہ کون لے کر گیا۔ بقول شخصے!

یہ کہاں کا فسانہ سود و زیان
جو گیا سو گیا جو ملا سو ملا
کہو دل سے کہ فرصت عمر ہے کم
جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

اللہ تعالیٰ کے انتقام سے ڈرو

مگر بات یہ ہے کہ اللہ کے ولی جب کسی سے انتقام نہ لیں تو ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں، اب یہ ہوا کہ جب چور صاحب تھیلی لے کر چلے تو اس کو باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا کہ کہاں سے نکلے، کبھی اس گلی میں گھس رہا ہے، کبھی اس گلی میں گھس رہا ہے اور باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملتا، وہی گلیاں اس کے لئے میدان تیہ بن گئیں، جب گھنٹوں گزر گئے اور راستہ نہیں ملا تو اس نے سوچا کہ میں نے جس کی یہ تھیلی چھینی ہے، شاید اللہ کا ولی ہے جس کو میں نے نقصان پہنچایا ہے، میں یہ تھیلی ان کو جا کر واپس کردوں، تب شاید میری جان چھوٹے۔

چور اور میاں جی میں جھگڑا

چنانچہ وہ چور حضرت میاں جی کے گھر پر پہنچا اور دروازے پر دستک دی، آپ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہا کہ حضرت! یہ تھیلی دینے آیا ہوں، میاں جی نے فرمایا کہ میں تو تھیلی نہیں لیتا، اس نے پوچھا کہ کیوں نہیں لیتے، یہ تو

آپ ہی کی تو تھیلی ہے؟ میاں جی نے فرمایا کہ جس وقت تو نے یہ تھیلی لی تھی، میں نے اسی وقت تیرے لئے حلال کر دی تھی، اب یہ تھیلی میں نہیں لیتا۔ اس چور نے کہا کہ خدا کے واسطے تھیلی لے لو، میں تو مصیبت میں پھنس گیا ہوں، مجھے تو نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا ہے۔ میاں جی نے فرمایا کہ میں کیسے قبول کرلوں، کیونکہ یہ تھیلی اب میری رہی نہیں۔ اب دونوں کے درمیان جھگڑا ہو رہا ہے، وہ تھیلی دینا چاہ رہا ہے، وہ لینا نہیں چاہتے۔ بالآخر اس نے کہا کہ اچھا یہ تو دعا کر دیجئے کہ مجھے نکلنے کا راستہ مل جائے، انہوں نے فرمایا کہ اچھا دعا کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ چور چلا گیا۔

دنیا مانگو مگر اس کی عظمت سے بچو

بہر حال! ضرورت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے دنیا مانگنی چاہئے کہ یا اللہ! اتنی دنیا عطا فرما دے کہ کسی کی محتاجی نہ ہو اور جو ضروریات ہیں وہ عافیت کے ساتھ پوری ہو جائیں۔ بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یہ بھی دعا کرلو کہ جو جائز خواہشات ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ پوری فرما دیں، لیکن اس دنیا سے دل لگا کر مت بیٹھو۔ اور اس دنیا کی محبت اور اس کی وقعت اور عظمت دل میں پیدا نہ کرو، اور نہ یہ کہ پیسے والے کی وقعت اور عظمت ہو اور غریبوں کی عظمت نہ ہو، دل میں دوسروں کی عظمت دین اور تقویٰ کی وجہ سے ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کی وجہ سے ہو، پیسے کی وجہ سے نہ ہو۔

حضور ﷺ کی ایک دعا

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

اللّٰھم احینی مسکینا و امتنی مسکینا
واحشرنی فی زمرة المساکین۔

(کنز العمال: ۱۶۵۹۲)

اے اللہ! مجھے مسکینوں کی زندگی عطا فرما اور مسکینوں کی موت عطا فرما اور مسکینوں کے ساتھ ہی میرا حشر بھی فرما۔ معلوم ہوا کہ حقیقت میں عظمت کی چیز دین ہے، ہم لوگ دنیا اور دنیا والوں کی جو عظمت دل میں لے کر بیٹھ گئے ہیں، یہ بڑی خراب چیز ہے، پیسے اور دولت کی وجہ سے کسی کا امتیاز نہیں ہونا چاہیے، اس اعتبار سے غریب اور امیر کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ہاں! اگر امیر شخص متقی ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والا ہے تو اس وجہ سے اس کے ساتھ تعلق رکھو، پیسے اور دولت کی وجہ سے تعلق مت رکھو۔

ایک پیر صاحب کا واقعہ

بعض اوقات اہل دین کے اندر بھی یہ بات پیدا ہو جاتی ہے کہ شروع میں اگرچہ نیت صحیح ہوتی ہے لیکن بعد میں رفتہ رفتہ مالدار لوگوں کے ساتھ تعلقات کو اپنے لئے سرمایہ فخر و ناز سمجھنے لگتے ہیں، یہ بُری بات ہے۔ حضرت

تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں ایک پیر صاحب کا قصہ لکھا ہے کہ ایک پیر صاحب کے بہت سے مرید تھے، ایک دن ایک مرید نے آکر کہا کہ حضرت! میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے، وہ یہ کہ آپ کی انگلی مبارک پر شہد لگا ہوا ہے اور میری انگلی پر پاخانہ لگا ہوا ہے، پیر صاحب نے کہا کہ یہ بات بالکل ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے علم دیا اور تقویٰ دیا، وہ بمنزلہ شہد ہے اور تو دنیا کا کتا ہے، تیری انگلی پر پاخانہ لگا ہوا ہے، تو نے صحیح خواب دیکھا۔ مرید صاحب نے کہا کہ حضرت! ابھی خواب پورا بیان نہیں کیا، پھر میں نے یہ دیکھا کہ آپ مجھے اپنی انگلی چٹا رہے ہیں اور میں اپنی انگلی آپ کو چٹا رہا ہوں۔ العیاذ باللہ۔ مطلب یہ تھا کہ پیر صاحب تو اسے دین سکھا رہے ہیں جو بمنزلہ شہد کے ہے اور پیر صاحب مرید کی دنیا کھا رہے ہیں جو بمنزلہ پاخانے کے ہے۔ گویا کہ پیر صاحب تو اپنے مرید کو اچھی چیز دے رہے تھے، علم دے رہے تھے، دین سکھا رہے تھے، تربیت کر رہے تھے، لیکن پیر صاحب کے دل میں دنیا کی محبت تھی اور وہ مرید کی دنیا کھا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔

دنیا کی مذمت بھی زیادہ نہ کرو

بہر حال! حضرت والاؒ اس ملفوظ میں فرما رہے ہیں کہ ”کسب دنیا ممنوع نہیں، البتہ اس کی محبت اور دل میں اس کی وقعت کرنا ممنوع ہے“ کیونکہ دنیا کی وقعت دل میں رکھنا منع ہے۔ آگے حضرت والا نے بڑا عجیب جملہ ارشاد فرمایا جو

یاد رکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا:

خواہ پیرایۂ مذمت ہی میں کیوں نہ ہو، کیونکہ جس چیز کی دل میں کچھ وقعت نہ ہو، اس کا ذکر مذمت سے بھی نہیں کیا جاتا۔

یعنی وقعت کے ساتھ دنیا کی تعریف کرنا تو منع ہے ہی، بلکہ کثرت سے اس کا ذکر مذمت کے ساتھ کرنا بھی بُرا ہے۔ یعنی اس کو اپنا وظیفہ بنالیا کہ بیٹھے ہوئے ہر وقت دنیا کی بُرائی کر رہے ہیں، یہ بھی دنیا کی وقعت میں داخل ہے، اس لئے کہ اگر دنیا کی وقعت نہ ہوتی تو اس کا بار بار ذکر ہی کیوں کرتا، چاہے بُرائی سے کررہا ہے۔

دنیا قابل ذکر چیز نہیں

ارے بھائی! یہ دنیا تو قابل ذکر شئی ہی نہیں، لہٰذا بلاوجہ اس کی بُرائی بیان کرنے میں زیادہ مشغول ہونا بھی وقعت کا حصہ ہے، کیونکہ جس چیز کی وقعت نہ ہو، اس کا بُرائی سے بھی ذکر نہیں کیا جاتا۔ دیکھئے! ہوا میں ذرّات ہر وقت اڑتے رہتے ہیں، ان کی کوئی وقعت ہے؟ کچھ نہیں، اب آپ بیٹھ کر ان کی بُرائی میں تقریر کر رہے ہیں کہ ان ذرّات میں یہ خرابی ہے اور ان میں یہ خرابی ہے۔ کوئی عقلمند انسان ان کی خرابیاں بیان نہیں کرے گا، کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے۔ لہٰذا کیوں تم اپنے آپ کو بلاوجہ اس دنیا کی مذمت بیان کرنے میں مشغول کرتے ہو؟ ہاں! نصیحت کے طور پر اس کی

مذمت بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کے طور پر اس دنیا کی مذمت بیان فرمائی ہے، لیکن بلاضرورت دنیا کی مذمت بیان کرنا بھی وقعت کے اندر داخل ہے۔

گناہوں کو بالکل یاد نہ کرو

گناہوں کے بارے میں بزرگوں نے فرمایا کہ گناہوں کو بالکل یاد نہ کرو، نہ اپنے قصد و اختیار سے اس کے کرنے کا خیال دل میں لاؤ اور نہ ہی اپنے قصد و اختیار سے اس کے نہ کرنے کا خیال دل میں لاؤ، مثلاً بیٹھ کر یہ سوچنے لگے کہ فلاں جگہ سے رشوت ملتی ہے، وہ نہیں لوں گا، یا فلاں جگہ بدنظری کا موقع ہے، وہ نہیں کروں گا، بیٹھے بیٹھے یہ باتیں سوچ رہا ہے، یہ بھی خطرناک ہے، کیونکہ وہ نہ کرنے کے پردے میں گناہ کو یاد کر رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں بعض اوقات وہ گناہ اپنا داؤ مار جاتا ہے اور آدمی کو گناہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

فتنوں کو جھانک کر بھی مت دیکھو

ایک حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری دور میں جو فتنے آئیں گے، ان کو جھانک کر بھی مت دیکھنا کہ ذرا دیکھیں کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ جو شخص جھانک کر دیکھے گا وہ فتنے اس کو بھی اچک لے جائیں گے۔ اور گناہ سے بڑا فتنہ اور کیا ہوگا، یہ گناہ ایسی چیز ہے کہ انسان اگر اس کی یاد میں مشغول ہو جائے، چاہے اثباتاً ہو، چاہے نفیاً ہو، اس مشغولیت کے نتیجے

میں وہ گناہ انسان کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، یہ سب نفس و شیطان کے وسائس ہیں۔

گناہوں کے بارے میں معلومات بھی مت کرو

بعض اوقات نفس و شیطان انسان کے دل میں یہ خیال ڈالتے ہیں کہ فلاں گناہ کے بارے میں کچھ معلومات تو حاصل کرلیں تاکہ علی وجہ البصیرۃ اس سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچنے کی تلقین کریں۔ چنانچہ ایک عالم تھے، ایک مرتبہ سینما دیکھتے ہوئے کسی نے دیکھ لیا، ان صاحب نے کہا کہ حضرت! آپ یہاں کیسے؟ ان عالم صاحب نے کہا کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں تاکہ یہ دیکھوں کہ یہ سینما ہوتا کیا ہے؟ اور اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں تاکہ مجھے اس کی بُرائیاں پتہ چلیں اور پھر خود بھی اس سے بچوں اور دوسروں کو بھی اس سے بچاؤں۔ حالانکہ بچنے سے پہلے ہی وہ خود اس گناہ کے اندر مبتلا ہو گئے تھے۔

بہرحال! گناہ کے بارے میں نفس کا ایک دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ چلو! اس گناہ کے بارے میں معلومات حاصل کریں، اب معلومات حاصل کرنے کے لئے گئے لیکن خود شکار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، آمین۔ اس لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر ان فتنوں کو جھانک کر بھی دیکھو گے تو وہ تمہیں اچک لیں گے۔ لہٰذا گناہ کے پاس کبھی معلومات حاصل کرنے کے لئے بھی مت جانا۔

نفس کا ایک اور دھوکہ

گناہ کے بارے میں نفس کا ایک دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نفس انسان سے کہتا ہے کہ اس گناہ کو ایک مرتبہ اچھی طرح کر کے حسرت پوری کرلو اور پھر توبہ کر لینا اور اس کو چھوڑ دینا، ایک مرتبہ کرنے سے ذرا دل بھر جائے گا اور حسرت نکل جائے گی۔ یاد رکھئے! یہ نفس کا بہت بڑا دھوکہ ہے، کیونکہ تجربہ یہ ہے کہ جب انسان ایک مرتبہ گناہ کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں گناہ کی پیاس بجھتی نہیں بلکہ اور زیادہ بھڑک جاتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب تک انسان نے وہ گناہ نہیں کیا ہوتا، اس وقت تک اس گناہ سے دل پر ایک حجاب ہوتا ہے لیکن جب وہ گناہ کر لیتا ہے تو وہ حجاب اٹھ جاتا ہے، اور پہلے گناہ کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی اور ایک مرتبہ کر لینے کے بعد اب اس گناہ کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے گویا کہ پہلے دل میں جو رکاوٹ اور بند لگا ہوا تھا، وہ ٹوٹ جاتا ہے۔

گناہ کرنے سے پیاس اور بڑھتی ہے

اللہ بچائے! یہ گناہ ایسی چیز ہے کہ اس کی پیاس بجھتی نہیں، ایسا نہیں ہوتا کہ جب ایک مرتبہ کرلیں گے تو حسرت نکل جائے گی اور قصہ ختم ہو جائے گا اور جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے گا بلکہ اور زیادہ پیاس بڑھتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گناہ کی لذت کی مثال خارش جیسی ہے، اگر انسان کے جسم کو خارش لگ جائے تو کھجانے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ دنیا

میں دو ہی چیزوں میں مزہ ہے، ایک کھاج میں اور ایک راج میں۔ کھجلی میں مزہ اور لذت تو بہت ہے، لیکن یہ لذت اتنی غیر صحت مند ہے کہ جتنا زیادہ کھجاؤ گے اتنے زیادہ بیمار ہو گے، اور خارش کی خاصیت یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ کھجاؤ گے تو وقتی طور پر تھوڑی دیر کیلئے سکون ہوگا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ وہ کھجلی بڑھے گی۔ گناہ کا بھی یہی معاملہ ہے کہ جب انسان ایک مرتبہ کر لیتا ہے تو پھر اور زیادہ شدت کے ساتھ اس کا داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا کبھی نفس و شیطان کے اس دھوکے میں مت آنا کہ ایک مرتبہ گناہ کرو گے تو دل بھر جائے گا اور حسرت نکل جائے گی۔ یاد رکھئے! کوئی حسرت نہیں نکلتی بلکہ اور زیادہ حسرت پیدا ہو جاتی ہے۔

گناہوں سے لاتعلق ہو جاؤ

لہٰذا گناہ کو اپنی فکر اور سوچ کا موضوع بنا لینا، چاہے گناہ کی بُرائی ہی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، یہ بھی درست نہیں۔ ہمارے ایک دوست ہیں جو حضرت ڈاکٹر صاحبؒ کے متعلقین اور عاشقین میں سے تھے، انگریزی تعلیم یافتہ ہیں، ایک دن میرے پاس آئے اور آکر ایک عجیب بات کہی، کہنے لگے کہ حضرت والا نے ہمارے اندر ایک کام بڑا عجیب کر دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیا کام؟ کہنے لگے کہ حضرت نے ہمیں گناہ سے بے تعلق کر دیا، انہوں نے انگریزی لفظ Indifferent کہا، اس کے نتیجے میں اب الحمدللہ گناہ کا خیال بھی نہیں آتا، نہ تو گناہ کی محبت ہے اور نہ گناہ کی نفرت ہے، کیونکہ نفرت بھی ایک قسم کا تعلق

ہے، جیسے یہ آدمی سوچے کہ فلاں چیز ہم سے کوئی الگ چیز ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ لہٰذا نہ تو مدح سے اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ ہی نفرت سے اس کا کوئی ذکر ہے۔

جواب جاہلاں باشد خاموشی

حضرت فرمایا کرتے تھے کہ گناہ کا ذکر ہی کیوں ہو، ذکر تو اس کا ہوتا ہے جس کی دل میں کچھ وقعت ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو اس غرض سے مضمون لکھتے ہیں اور یہاں دیتے ہیں کہ ان کی تردید کی جائے، تاکہ جب ہماری تردید کی جائے گی تو اس سے ہماری شہرت ہوگی، بقول شخصے! بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا۔ وہ لوگ باقاعدہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کے مضمون کی تردید کی جائے، اس لئے کہ جتنی تردید ہوگی اتنا ہی نام ہوگا اور شہرت ہوگی۔ ایسے لوگوں کا علاج یہ ہے کہ اس کو قابل اعتناء ہی نہ سمجھا جائے۔ آج کل لوگوں کا یہ حال ہے کہ جہاں انہوں نے اخبار میں کوئی مضمون دیکھا اور اس میں کوئی غلط بات دیکھی تو بس اس مضمون کو وہاں سے نکال کر ہمارے پاس بھیج دیا کہ صاحب! اس کا جواب لکھیں اور اس کی تردید کریں، اس نے گمراہی کی بات لکھدی ہے۔ ارے بھائی! یہ تردید تو اس مضمون لکھنے والے کا عین منشاء ہے، اس لئے کہ اس سے اس کی شہرت ہوگی اور لوگ یہ کہیں گے کہ جس شخص کی تردید فلاں عالم نے کی ہے، وہ کچھ تو ضرور ہوگا۔ لہٰذا تردید لکھنے میں اس کی عزت افزائی ہے۔ اس کا علاج وہ ہے جو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

جاہلوں کا جواب خاموشی ہے، نہ یہ کہ اس سے مناظرہ کیا جائے۔

ہر چیز کی تردید ضروری نہیں

لہٰذا ہر چیز کی نفی اور ہر چیز کی تردید مفید نہیں ہوتی، بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو نظر انداز کر دو اور نظر انداز کرنا ہی ان کا حل ہے، ان کے پیچھے پڑنے سے کچھ حاصل نہیں۔ آج کے دور میں ہر شخص کے ہاتھ میں قلم آ گیا ہے اور ہر شخص کے منہ میں زبان ہے، جو شخص جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے، اور اخبارات ہر چیز چھاپنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ اب انسان کس کس کے پیچھے پڑے اور کس کس کا جواب دے، اور جواب دینے کے نتیجے میں بعض اوقات اس کی اور شہرت ہو جاتی ہے۔

اس لئے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں بڑی نازک بات ارشاد فرمائی کہ دل میں دنیا کی وقعت نہ ہو، نہ اثباتاً ہو نہ نفیاً ہو، یعنی نہ تو اس کا ذکر خیر سے کرو اور نہ اس کا ذکر برائی سے کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۶۱

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

مالداری اور مفلسی اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دارالعلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ۶۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مجلس نمبر ۶۱

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

مالداری اور مفلسی اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

ہر فکرِ دنیا مذموم نہیں

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

دنیا کے اندر جو فکرِ مذموم ہے، وہ وہ ہے جو تحصیل دنیا کے لئے ہو اس کو مقصود بالذات سمجھ کر، اور اگر مقصود بالذات نہ سمجھے تو وہ فکر بھی جائز ہے، کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ "طلب الحلال فریضة" نیز جو دنیا میں فکر ترک دنیا کے لئے ہو، وہ مطلوب ہے، یعنی دنیا اور آخرت میں موازنہ کے لئے تفکر کرنا کہ ان میں سے کونسا قابل اختیار کرنے کے ہے اور کون قابل ترک ہے، یہ فکر مطلوب ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۶)

یعنی سوچ پر دنیا کو اس طرح سوار کرنا جس کے بارے میں حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا

اے اللہ! ہماری سوچ کا محور دنیا کو نہ بنایئے۔

یہ سوچ اور فکر اس وقت مذموم ہے جب یہ سوچ تحصیل دنیا کے لئے ہو اور اسی دنیا کو مقصود بالذات سمجھ کر ہر وقت دل و دماغ پر دنیا کی سوچ کو سوار کرلیا۔ یہ سوچ بُری ہے، لیکن اگر اس دنیا کو مقصود بالذات نہ سمجھے تو پھر اس کے بارے میں سوچنا بُری بات نہیں۔ مثلاً یہ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق

عائد کئے ہیں، اپنے نفس کے حقوق، اپنے بیوی بچوں کے حقوق عائد کئے ہیں اور وہ حقوق ادا کرنے ہیں اور ان کی ادائیگی کے لئے دنیا کا حصول بھی ضروری ہے، لہٰذا میں اس نقطۂ نظر سے دنیا حاصل کر رہا ہوں، یہ سوچنا کوئی بُری بات نہیں۔

''مال'' مطلقاً خلافِ زہد نہیں

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ:

مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زہد نہیں، البتہ اس کو ذریعہ معاصی بنانا خلافِ زہد ہے۔ بعضوں کے لئے مالدار ہونا ہی مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال سے قرب ہوگا اور کس کو افلاس سے، اس لئے کسی کو مال دیتے ہیں اور کسی کو مفلس رکھتے ہیں۔

(انفاس عیسیٰ ص ۱۷۶)

دولت کو سرکشی کا ذریعہ مت بناؤ

''زہد'' کے معنی عام طور پر کئے جاتے ہیں ''ترکِ دنیا'' یہ غلط ہے۔ ''زہد'' کے صحیح معنی ہیں ''دنیا سے بے رغبتی'' لہٰذا مال کا جمع کرنا مطلقاً خلافِ زہد نہیں، یعنی یہ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی بہت مالدار ہے، پھر بھی زاہد ہے، کیونکہ اس کے پاس مال تو ہے لیکن مال کی طرف رغبت نہیں اور دل میں مال کی محبت نہیں۔ البتہ اس مال کو معاصی کا ذریعہ بنانا خلافِ زہد ہے، مثلاً اس مال کو

غلط جگہوں پر خرچ کر رہا ہے، یہ خلاف زہد ہے۔ اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ کُلِّ غِنًی یُّطْغِیْنِیْ

اے اللہ! مجھے ہر ایسی مالداری سے بچایئے جو مجھے سرکش کر دے۔

جن لوگوں کے پاس پیسہ ہے، وہ ضرور یہ دعا مانگا کریں، کیونکہ دولت کے اندر سرکشی کا خاصّہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق نہ ہو اور بزرگوں کی صحبت نہ ہو اور تربیت نہ ہو تو یہ پیسہ انسان کا دماغ خراب کر دیتا ہے، دماغ میں خنّاس پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے اس مال کو ذریعہ معصیت نہیں بنانا چاہئے۔

دولت کو اعمال صالحہ کا ذریعہ بناؤ

بلکہ انسان اس مال کو شکر کا، عبادت کا، انفاق فی سبیل اللہ کا، صدقہ خیرات کا اور اعمال حسنہ کا ذریعہ بنائے تو سبحان اللہ، پھر تو وہ مال ڈبل نعمت ہے، دنیا کی بھی نعمت ہے اور آخرت کی بھی نعمت ہے۔ اس لئے حضرت والا نے فرمایا کہ بعضوں کے لئے مالدار ہونا ہی مفید ہے، اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ کس کو مال کے ذریعہ قرب ہوگا اور کس کو افلاس کے ذریعہ، یعنی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اگر فلاں شخص کے پاس مال جائے گا تو وہ بجائے سرکش ہونے کے اس کا ہم سے قرب بڑھے گا اور اگر فلاں کے پاس مال جائے گا تو وہ

سرکش ہو جائے گا۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

ہر انسان کا ظرف دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرماتے ہیں، کسی کو کچھ دیا، کسی کو کچھ دیا، یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تقسیم ہے۔

گنجے کو ناخن نہ دینا عین مصلحت ہے

بعض اوقات ہمیں ترس آتا ہے اور رحم آتا ہے کہ یہ شخص بڑا مفلس ہے اور غریب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اگر اس کو پیسے دیدیتے اور اس گنجے کو ناخن مل جاتے تو کیا حشر بناتا، خود بھی مصیبت میں مبتلا ہوتا اور دوسروں کو بھی مصیبت میں مبتلا کرتا اور فساد مچاتا، اس وجہ سے اس کو دولت نہیں دی، اس کے لئے مسکنت اور فقیری ہی اچھی ہے۔

کم خوش حالی دوں یا زیادہ؟

ایک واقعہ کسی کتاب میں تو نہیں پڑھا لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے لئے کوہ طور پر جانے لگے تو راستے میں ایک شخص ملا، اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے جارہے ہیں، کچھ ہمارے لئے بھی درخواست کر دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا درخواست کروں؟ اس نے کہا کہ فقر و فاقہ کا عالم ہے اور مصیبت میں مبتلا ہوں، پیسہ

پاس نہیں ہے، عیالدار ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی خوش حال زندگی عطا فرمادے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے کلام فرمایا، آخر میں اس شخص کی درخواست پیش کی کہ یا اللہ! راستے میں ایک شخص ملا تھا، وہ بڑا مفلس اور پریشان حال تھا، اس کی بھی دعا قبول فرمالیں اور اس کو خوش حالی عطا فرمادیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ تھوڑی خوش حالی دیں یا زیادہ دیں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب خوش حالی دینی ہے تو زیادہ ہی دیدیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا ہم نے اس کو زیادہ خوش حالی دیدی، حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس آگئے۔

زیادہ خوش حالی کا مقام صرف جنت ہے

ایک دن خیال آیا کہ جس شخص کی درخواست اللہ تعالیٰ کو پیش کی تھی، اس کو جاکر تو دیکھوں، وہ تو اب خوش حال ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ اس کے گھر پر پہنچے اور دروازے پر دستک دی، ایک خاتون نکل کر آئی، آپ نے فرمایا کہ فلاں آدمی سے ملنا ہے، اس خاتون نے کہا کہ ا تو انتقال ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، آپ سے خوش حالی مانگی تھی، وہ تو زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! ہم نے تم سے پوچھا تھا کہ تھوڑی خوش حالی دیں یا زیادہ دیں؟ تم نے کہا تھا کہ زیادہ دیں، اور دنیا میں زیادہ خوش حالی ہو ہی نہیں سکتی، جو خوش حالی ہوگی وہ تھوڑی ہی ہوگی، اس لئے ہم نے اس کو زیادہ خوش حالی

اس طرح دی کہ اپنے پاس بلا کر جنت عطا فرمادی۔

دنیا اور جنت دونوں کیوں نہیں دی؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی خوش حالی دیدیتے اور اس کے بعد جنت بھی دیدیتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ؎

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

یعنی اگر اس کو دنیا کے اندر خوش حالی مل جاتی تو پتہ نہیں اس کے کیا اعمال ہوتے، کس سرکشی میں مبتلا ہوتا، کس گمراہی کے گڑھے میں جاگرتا اور پھر جنت بھی نہ ملتی۔

کیا غریب پر اللہ تعالیٰ کو ترس نہیں آتا؟

آپ جب غریب اور تنگ دست فقیر کو دیکھتے ہیں تو اس پر بڑا ترس کھاتے ہیں کہ اس بچارے کا بڑا بُرا حال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو تو ترس آرہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر ترس نہیں آرہا ہے۔ ارے وہی تم سے زیادہ جانتا ہے جس نے یہ کارخانہ بنایا ہے کہ کس پرزے کے ساتھ کیا بات مناسب ہے۔ تم کیا؟ تمہارا دماغ کیا؟ تمہاری عقل کیا؟ تمہاری سوچ وسمجھ کیا؟ تمہیں کیا معلوم کہ کس پرزے کو کس کام میں لگایا ہوا ہے اور اس سے کیا مطلوب ہے؟ کیا اس کا انجام ہونا ہے؟ یہ باتیں تو وہی علیم وخبیر جانتا ہے، وہ عالم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اس لئے وہی جانتا ہے کہ اس کے حق میں غریبی

اور تنگ دستی ہی مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ رحیم ہیں، رحم کے نتیجے میں اس کو زیادہ مال و دولت نہیں دی۔

اللہ تعالیٰ حاکم بھی ہیں اور حکیم بھی ہیں

اس وجہ سے بزرگوں نے فرمایا کہ جب کسی عزیز کا انتقال ہو تو اس موقع پر دو چیزوں کا مراقبہ کرنا چاہئے، ایک اللہ تعالیٰ کے حاکم ہونے کا مراقبہ کرنا چاہئے اور دوسرے اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا مراقبہ کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ حاکم ہیں، اس لئے جو اس کا فیصلہ ہے وہی معتبر ہے اور وہ حاکم بھی ''اندھیر نگری چوپٹ راج'' والا حاکم نہیں، بلکہ وہ حاکم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے، حکمت والا ہے اور حکمت والا حاکم جو فیصلہ کرے اس کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہئے، چاہے ہماری سمجھ میں وہ فیصلہ آئے یا نہ آئے، چاہے وہ فیصلہ ہمیں اچھا لگے یا بُرا لگے، چاہے ہم اس فیصلے پر خوش ہوں یا غمگین ہوں، فیصلہ ان کا ہی حق ہے اور اس پر ہی عمل کرنا چاہئے۔

بعض لوگوں کا مالدار ہونا مفید ہوتا ہے

آگے حضرت والا نے فرمایا کہ: ''بعضوں کے لئے مالدار ہونا ہی مفید ہے'' یعنی کسی کو اللہ تعالیٰ مال دے کر ترقی درجات عطا فرماتے ہیں، مال دے کر اس کو شکر کی توفیق بخشتے ہیں، وہ جتنا شکر کرے گا اتنا ہی اس کے درجات میں ترقی ہوگی۔ اور کسی کو اللہ تعالیٰ فقر دے کر اس کے درجات میں ترقی

فرماتے ہیں، چنانچہ فقر کے اندر صبر کرتا ہے تو صبر کے ذریعہ اس کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر

(ترمذی، صفة القیامة باب الطاعم الشاکر بمنزلة الصائم الصابر)

یعنی جو شخص کھائے اور شکر کرے، وہ ایسا ہے جیسے وہ شخص جو روزہ رکھے اور صبر کرے۔ لہٰذا اگر روزہ رکھ کر صبر کرو تو اس کا بھی ثواب ہے اور اگر کھا کر شکر کرو تو اس کا بھی ثواب ہے، اسی وجہ سے رمضان میں اللہ تعالیٰ یہ دونوں کام کرا دیتے ہیں کہ دن کو صائم صابر رہو اور رات کو طاعم شاکر رہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ

(سورۂ سبا: آیت ۱۵)

یعنی اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور شکر ادا کرو۔

رمضان میں کم کھانے کا اہتمام ٹھیک نہیں

اس وجہ سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بعض بزرگوں نے جو یہ فرمایا ہے کہ رمضان میں افطار کے بعد بھی کم کھانا چاہئے، مجھے اس سے اتفاق نہیں، کیونکہ ضرورت سے زیادہ کھانا ہر حال میں منع ہے، رمضان میں بھی اور غیر رمضان میں بھی، لیکن رمضان میں رات کے وقت دوسرے دنوں کے مقابلے میں کم کھانے کا اہتمام کرنا یہ کوئی صحیح بات نہیں۔ اس

لئے کہ اصل معاملہ اتباع کا ہے، دن میں اللہ میاں نے بھوکا رہنے کو کہا تو بھوکا رہنے میں ثواب ہے اور افطار کے بعد جب اللہ میاں نے کہا کہ کھاؤ تو اب کھانے میں ثواب ہے، بندگی کا تقاضہ یہی ہے۔

افطار میں جلدی کرو

اسی وجہ سے حکم یہ ہے کہ جب افطار کا وقت ہو جائے تو کھانے میں تاخیر مت کرو بلکہ جلدی کھاؤ۔ کیوں؟ اس لئے کہ اتباع کی مشق کرائی جا رہی ہے، جب تک ہم نے کہا کہ بھوکے رہو تو اس وقت تک بھوکے رہو اور جب ہم کہیں کہ اب کھاؤ تو کھانے میں جلدی کرو، اب کھانے سے رکنا یہ معصیت ہے۔ اس لئے حضرت فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے کہہ دیا کہ کھاؤ تو اب اطمینان سے مزے لے کر کھاؤ، کمی کرنے کی ضرورت نہیں۔

رمضان میں رزق بڑھا دیا جاتا ہے

حضرت والا نے ایک بات یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں مؤمن کا رزق زیادہ کر دیتے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق تو رمضان میں دیں اور ہم کھائیں بعد میں، اللہ تعالیٰ نے ابھی رزق دیا ہے تو ابھی کھائیں گے، لہٰذا رمضان کی راتوں میں کھانے میں کمی کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں، عبدیت کا تقاضہ اور بندگی کا تقاضہ یہی ہے کہ جب وہ رزق دے رہے ہیں تو

مزے لے کر کھاؤ، یہی دین کا اتباع ہے۔ بہر حال! بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی بندے کو نعمتیں عطا فرماتے ہیں اور پھر اس نعمت پر شکر کی توفیق بھی عطا فرماتے ہیں اور اس کے نتیجے میں پھر درجات بلند فرماتے ہیں، وہی جانتے ہیں کہ کس کا مالدار ہونا فائدہ مند ہے اور کس کا فقیر ہونا فائدہ مند ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ بزرگ بھی اور دولت مند بھی

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جو فقیہ بھی تھے، صوفی بھی تھے، محدث بھی تھے اور مالدار بھی تھے، کسی نے ان سے کہا کہ حضرت! آپ اللہ والے بزرگ ہیں، آپ بھی یہ اتنا سارا مال و دولت رکھتے ہیں، دونوں میں کوئی مناسبت سمجھ میں نہیں آتی۔ جواب میں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

لولا هذا لتمندل بنا هؤلاء

اگر ہمارے پاس مال نہ ہوتا تو یہ وزراء اور امراء ہمیں رومال بنا کر ہم سے ہاتھ پونچھا کرتے۔ یعنی یہ لوگ ہمیں حقیر سمجھتے اور ہمیں ہر جگہ استعمال کرتے، اب الحمدللہ ہمارے پاس پیسے موجود ہیں، اس لئے برابر کی چوٹ ہے، اس کے نتیجے میں ہم کسی کے دباؤ میں آنے والے نہیں ہیں۔

امام مالکؒ کا روزانہ نیا جوڑا پہننا

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روزانہ کپڑے کا ایک نیا جوڑا پہنا کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو دنیا عطا فرمائی لیکن اس سے محبت نہ ہوئی اور نہ اس کے اندر انہماک ہوا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! حسب ضرورت دنیا عطا فرمایئے۔ بلکہ میں تو اور آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اے اللہ! حسب خواہش دنیا عطا فرمایئے، جائز خواہشات کی حد تک عطا فرمایئے اور فراغت کے ساتھ عطا فرمایئے لیکن اس کی محبت اور وقعت میں دل کو مبتلا نہ فرمایئے۔ آمین۔

دنیا دے دنیا کی محبت نہ دے

ہر وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہئے، اگر یہ چیز مل گئی تو پھر سب ہی کچھ مل گیا، کیونکہ ساری برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حب الدنیا رأس کل خطیئة

(کنز العمال، حدیث نمبر ۶۱۱۴)

اس سے اللہ تعالیٰ نجات عطا فرما دیں گے تو انشاء اللہ سب کچھ درست ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۶۲

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

طالب دنیا راحت میں نہیں ہوتا

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی
وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک
اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴
مجلس نمبر : ۶۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم ط

مجلس نمبر ۶۲

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

طالب دنیا راحت میں نہیں ہوتا

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّهۡدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡهُ فَلاَ هَادِیَ لَہٗ وَأَشۡهَدُاَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَأَشۡهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔

أَمَّا بَعۡدُ!

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ میں خود ترقی کا حکم ہے، لیکن اس قید کے ساتھ کہ ترقی خیر میں ہونی چاہئے، آپ ترقی درم کے حامی ہیں خواہ دین سلامت رہے یا نہ رہے اور ہم بدون سلامت دین کے ترقی درم کو ترقی ورم سمجھتے ہیں، جس شخص کے بدن پر ورم ہو جائے، ظاہر میں وہ بھی ترقی یافتہ ہے مگر حقیقت میں وہ تنزل کی طرف جا رہا ہے۔ (انفاس عیسیٰ ص ۱۷۹)

نیکی کے کاموں میں ترقی مامور بہ ہے

فرمایا کہ قرآن کریم نے خود حکم دیا ہے کہ:

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ۔ (البقرۃ، آیت ۱۴۸)

یعنی اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور مقابلہ کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ (آل عمران:۱۳۳)

یعنی ایک دوسرے سے زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کرو اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرنے میں اور اس جنت کے حاصل کرنے میں جس کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ ان آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے خود ایک

دوسرے سے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا ''ترقی'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور بہ ہے، لیکن اس کا خیال رہے کہ یہ ترقی خیر میں ہو، اچھی چیزوں میں اور نیکی کے کاموں میں ترقی ہو، ایسی ترقی محمود اور مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

دین کے بغیر ترقی عذاب ہے

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل لوگوں نے صرف پیسوں کی ترقی کا نام ''ترقی'' رکھ لیا ہے، چاہے دین سلامت رہے یا نہ رہے، حالانکہ یہ ترقی نہیں ہے بلکہ ایک عذاب ہے، کیونکہ جو ترقی دین کے بغیر ہو، اس کا کچھ حاصل نہیں۔ اکبر الہٰ آبادی مرحوم بہت صاحب فکر شاعر تھے، ان کا ایک شعر ہے کہ:

نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
ہمیں اس سے پھر غرض کیا کوئی جنٹ کوئی جج ہے

یعنی اگر کوئی عہدہ مل گیا کہ کوئی جنٹلمین بن گیا یا کوئی جج بن گیا، لیکن دین سلامت نہ رہا، نہ نماز باقی ہے اور نہ روزہ ہے تو پھر یہ ساری دنیاوی ترقی بیکار ہے۔

ترقی درہم یا ترقی ورم

چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ ''ہم بددن سلامت دین کے ترقی درم کو ترقی ورم سمجھتے ہیں'' درہم کی ترقی ایسی ہے جیسے جسم پر ورم آ گیا ہو، اب ورم

کے نتیجے میں بظاہر تو جسم میں اضافہ ہوا لیکن وہ بیماری اور تکلیف کا اضافہ ہے، اس ترقی کا انجام صحیح نہیں، اسی طرح اگر پیسے بڑھ گئے اور دنیا زیادہ حاصل ہوگئی اور دین خطرے میں پڑ گیا۔ العیاذ باللہ۔ تو یہ ابھار اور ترقی بمنزلہ ورم کے ہے اور بیماری ہے، یہ ترقی کوئی قابل رشک چیز نہیں جس کے حاصل کرنے کی آدمی فکر کرے۔

طالب دنیا راحت میں نہیں

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد نے فرمایا:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلے میں بالکل قابل نفرت ہے ہی لیکن اس سے قطع نظر وہ بھی خود اپنی حالت ذاتیہ پر نظر کر کے قابل نفرت ہے، کیونکہ طالب دنیا کوئی راحت میں نہیں ہے، چنانچہ اگر ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو چھوڑ کر ان کی اندرونی حالت کو ان کے پاس رکھو تو معلوم ہوگا کہ کوئی پریشانی سے خالی نہیں، بخلاف طالب آخرت کے کہ سب کے سب راحت میں ہیں۔ (انفاس عیسی، ص ۱۷۹)

آخرت کے مقابلے میں دنیا بے حقیقت ہے

اس ملفوظ میں حضرت والا نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بات نقل کی ہے اور بڑی کام کی بات ہے، وہ یہ کہ یہ دنیا آخرت کے مقابلے میں تو کوئی

حقیقت نہیں رکھتی، کیونکہ آخرت غیر متناہی ہے اور دنیا متناہی ہے اور دنیا ایسی متناہی ہے کہ اس کی حدود کا کچھ پتہ نہیں کہ کب اور کس لمحے ختم ہو جائے۔

دنیا اپنی ذات کے اعتبار سے بھی قابل محبت نہیں

لیکن اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اگر دنیا کو دیکھو تو یہ کوئی قابلِ محبت چیز نہیں ہے، اس لئے کہ ظاہری طور پر جو چیزیں اچھی نظر آتی ہیں، مثلاً روپیہ ہے، مال و دولت ہے، بنگلہ ہے، کاریں ہیں، کارخانے ہیں، یہ سب ظاہری ٹیپ ٹاپ ہیں، اور جو آدمی اس دنیا کا طالب ہوتا ہے یعنی دن رات اس فکر میں پڑا ہوا ہے اور اسی جستجو میں ہے کہ میرے پیسے بڑھ جائیں، میرا مکان زیادہ بہتر ہو جائے، میری کار زیادہ اچھی ہو جائے، ایسا طالب دنیا کبھی بھی راحت میں نہیں ہوتا، کیونکہ وہ دن رات اسی فکر میں غلطاں پیچاں رہتا ہے اور اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو راحت نصیب نہیں۔

دولت مند مصائب کا شکار ہیں

یہ جتنے بڑے بڑے سرمایہ دار نظر آتے ہیں جو ملوں کے مالک ہیں اور کارخانوں کے مالک ہیں، ان کے پاس کوٹھیاں ہیں، بنگلے ہیں، کاریں ہیں، حشم خدم ہیں، نوکر چاکر ہیں، بظاہر دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ خوش عیشی کی زندگی گزار رہے ہیں، لیکن اگر ان کے اندر سے ٹٹول کر دیکھو تو نظر آئے گا کہ یہ لوگ اتنے مصائب کا شکار ہیں کہ کوئی حد و حساب نہیں، اور ان مصائب کا ہمیں علم ہی نہیں ہوتا، جب علم ہو جاتا ہے تب پتہ چلتا ہے کہ کس مصیبت کا شکار ہیں۔

ایک صاحب ثروت کا حال

میں آپ سے کیا بتاؤں کہ ایسے بے شمار لوگ مجھ سے رجوع کرتے ہیں جن کی دولت دیکھ کر عام آدمی تمنا کرے کہ:

يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ، اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ۔ (سورۃ القصص: آیت ۷۹)

کاش ہمیں بھی ایسی دولت مل جائے، یہ تو بڑا خوش نصیب ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو سب کچھ دیا ہوا ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی فی گھنٹہ آمدنی ایک لاکھ روپے کے قریب ہوگی، دنیا کے مختلف ملکوں میں اس کی کوٹھیاں، کارخانے، کمپنیاں وغیرہ سب کچھ موجود ہیں، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس شخص کے گھر میں جھانک کر دیکھو تو پتہ چلے کہ کن مصیبتوں کا شکار ہے، اس کی بیوی مجھ سے آکر کہتی ہے کہ یہ سب مال و دولت میرے لئے عذاب ہے، میں کسی جھونپڑی میں رہ کر دال روٹی کھاتی تو اس مال و دولت کے مقابلے میں میرے لئے ہزار درجہ بہتر تھا۔ اب دیکھنے والے ان کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اور اندر ان کی یہ حالت ہے۔

دنیا کی حرص بڑھتی رہتی ہے

اگر آپ ان دولت مندوں کی اندرونی زندگی کو جھانک کر اور ٹٹول کر دیکھیں گے تو اکثر یہی نظر آئے گا کہ جس چیز کا نام "راحت" ہے، وہ ان کو حاصل نہیں، اگر پیسے مل گئے اور ان پیسوں کے ذریعہ راحت نہ ملی تو ان پیسوں

سے کیا حاصل ہوا؟ اور اگر بالفرض اس جیسی پریشانی نہ بھی ہو تب بھی یہ دنیا کی طلب ایک مستقل عذاب ہے، اس لئے کہ دنیا کا خاصہ یہ ہے کہ جتنا آدمی اس کے پیچھے بھاگتا ہے، یہ دنیا اس سے بھاگتی ہے اور یہ طالب دنیا دوڑتے دوڑتے ہانپتے ہوئے مر جاتا ہے اور وہ ہاتھ نہیں آتی، کیونکہ طالب دنیا کو کسی حد پر قرار ہی نہیں آتا، جیسا کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے طالب دنیا کا حال بیان فرمایا کہ اگر اس کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو یہ تمنا کرے گا کہ دو وادی مل جائیں، جب دو مل جائیں گی تو تمنا کرے گا کہ تین ہو جائیں اور ابن آدم کا پیٹ سوائے قبر کی مٹی کے کوئی اور چیز نہیں بھر سکتی۔ جب تک زندہ ہے، وہ اسی میں مبتلا رہے گا، جس آدمی کی ہر وقت یہ فکر ہو کہ فلاں چیز نہیں ملی وہ مل جائے، فلاں چیز مجھے نہیں ملی وہ مل جائے، اور ہر وقت اس کی دوڑ دھوپ میں لگا ہوا ہے، یہ خود عذاب نہیں تو اور کیا ہے۔

قناعت میں ''راحت'' ہے

''راحت'' اگر کسی چیز میں ہے تو وہ ''قناعت'' میں ہے، یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے حلال طریقے سے عطا فرمایا ہے، الحمدللہ! میرے لئے وہ کافی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مشروع اور جائز طریقوں سے جتنی دنیا طلب کرنے کی اجازت دی ہے، اتنی طلب کرتا رہوں گا، جو مل گیا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اور اس کا احسان ہے، یہ ہے ''راحت''۔ یاد رکھئے! طلب دنیا اور حب دنیا کے ساتھ کبھی ''قناعت'' جمع نہیں ہو سکتی، لہٰذا جو طالب دنیا ہو گا اور جو دنیا سے محبت رکھنے والا ہو گا، اس کو کبھی ''قناعت'' نہیں حاصل ہو گی، وہ تو کہے گا کہ اور مل جائے اور مل جائے، اور جو شخص طالب دنیا نہیں ہے وہ تو یہ

سوچے گا کہ ٹھیک ہے دنیا بھی ہماری زندگی کا ایک حصہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس زندگی کے اندر ہمارے ذمے کچھ فرائض عائد کئے ہیں، ہم ان فرائض کی ادائیگی کے لئے دنیا حاصل کر رہے ہیں اور اس شخص کے دل میں دنیا کی محبت اور طلب اس درجے کی نہیں ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ''قناعت'' عطا فرمائیں گے اور قناعت سے زیادہ راحت کسی چیز میں نہیں۔

راحت میں کون؟

دیکھئے! ایک شخص وہ ہے جو دال روٹی پر گزارہ کر رہا ہے، لیکن اس کا دل مطمئن ہے کہ الحمدللہ جو کچھ مجھے مل رہا ہے، وہ حلال ہے اور میرے لئے مناسب اور ٹھیک ہے، مجھے اسی میں مزہ ہے۔ اور دوسرا شخص وہ ہے جو بریانی قورمہ کھا رہا ہے اور دنیا کی ہزاروں نعمتیں استعمال کر رہا ہے لیکن اس کے دل میں ایک کانٹا لگا ہوا ہے کہ یہ تو کوئی اچھی چیز نہیں، مجھے وہ چیز ملنی چاہئے جو فلاں کے پاس ہے، میرے پاس ویسا گھر ہو جیسا فلاں کا ہے، ویسی گاڑی ہو جیسی فلاں شخص کی ہے، ہر وقت دل میں یہ فکر لگی ہوئی ہے۔ بتایئے ان دونوں میں سے ''راحت'' کے اندر کون ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ شخص راحت میں ہے جو دال روٹی تو کھا رہا ہے لیکن اس کا دل مطمئن ہے کہ الحمدللہ جو کچھ مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے، وہ میرے لحاظ سے کافی ہے۔

میرے پیمانے میں لیکن حاصل میخانہ ہے

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا خوبصورت شعر ہے، مجھے تو اس کو پڑھنے میں بڑا مزہ آتا ہے، فرماتے ہیں: ؎

مجھ کو اس سے کیا غرض کس جام میں ہے کتنی مے
میرے پیانہ میں لیکن حاصل میخانہ ہے

یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے پیانہ میں دیدیا ہے، میرے لئے تو سارے میخانہ کا حاصل وہی ہے، اس پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس پر مطمئن ہوں۔ جس دن انسان کے اندر یہ ذہنیت پیدا ہو جائے گی، اس دن ساری دنیا کے بکھیڑے اور روگ ختم ہو جائیں گے۔ یاد رکھئے! اس دنیا میں ''قناعت'' کے سوا راحت حاصل کرنے کا کوئی اور طریقہ نہیں ہے، اور جب دل میں ''قناعت'' نہیں ہوگی تو پھر طلب دنیا اور حبِ دنیا ہوگی اور یہ طلب دنیا انسان کو دن رات پریشانی میں مبتلا رکھے گی۔

ایک سبق آموز قصہ

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''گلستان'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ سفر کر رہا تھا، سفر کے دوران میں نے ایک تاجر کے گھر میں قیام کیا، اس تاجر نے ساری رات میرا دماغ چاٹا اور اپنی تجارت کے قصے مجھے سناتا رہا کہ فلاں جگہ میری یہ تجارت ہے، ہندوستان میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، ایران میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، خراسان میں فلاں چیز کا کاروبار ہے، وغیرہ وغیرہ سارے قصے سنانے کے بعد آخر میں کہنے لگا کہ میری تمام آرزوئیں تو پوری ہوگئی ہیں اور میری تجارت بھی پروان چڑھ گئی ہے، البتہ اب مجھے ایک آخری سفر تجارت کے لئے کرنے کا ارادہ ہے، آپ دعا کر دیجئے کہ میرا وہ سفر کامیاب ہو جائے تو اس کے بعد قناعت کی زندگی اختیار کرلوں گا

اور بقیہ زندگی دکان پر بیٹھ کر گزار لوں گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پوچھا کہ وہ آخری سفر کہاں کا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں یہاں سے فلاں سامان خرید کر چین جاؤں گا، وہاں اس کو فروخت کروں گا، پھر چین سے چینی شیشہ خرید کر روم لے جا کر فروخت کروں گا، اس لئے کہ چینی شیشہ روم میں اچھے داموں میں فروخت ہوتا ہے، پھر روم سے فلاں سامان لے کر اسکندریہ جاؤں گا اور وہاں اس کو فروخت کروں گا، پھر اسکندریہ سے قالین ہندوستان لے جا کر فروخت کروں گا اور پھر ہندوستان سے گلاس خرید کر حلب لے جا کر فروخت کروں گا، وغیرہ وغیرہ، اس طرح اس نے ساری دنیا کے طویل سفر کا منصوبہ پیش کیا اور کہا کہ دعا کرو کہ میرا یہ منصوبہ کسی طرح پورا ہو جائے تو اس کے بعد بقیہ زندگی قناعت کے ساتھ اپنی دکان پر گزار دوں گا، یعنی یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی بقیہ زندگی دکان پر گزارے گا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ سننے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ ؎

آں شنیدہ ستی کہ در صحرائے غور
رختِ سالار افتادہ اسپ طور
گفت چشمِ تنگِ دنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاکِ گور

میں نے اس سے کہا کہ تم نے یہ قصہ سنا ہے کہ غور کے صحراء میں ایک بہت

بڑے سوداگر کا سامان اس کے خچر سے گرا ہوا پڑا تھا، اس کا خچر بھی مرا ہوا پڑا تھا اور خود وہ سوداگر بھی مرا ہوا پڑا تھا، اور وہ سامان اپنی زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ دنیا دار کی تنگ نگاہ کو یا قناعت پُر کر سکتی ہے یا قبر کی مٹی پُر کر سکتی ہے، اس کی تنگ نگاہ کو تیسری کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ دنیا انسان کے اوپر مسلط ہو جاتی ہے تو اس کے دل میں دنیا کے سوا دوسرا خیال نہیں آتا۔ یہ ہے "حبِّ دنیا" جس سے منع کیا گیا ہے۔

ہاتھ میں اٹھنے والی کھجلی کا کیا کروں؟

خود میرے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ پاکستان کے ایک بہت بڑے تاجر سرمایہ دار جو دنیا کے بائیس مالدار ترین لوگوں میں سے ایک ہیں۔ ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ دیا ہے، کچھ اچھا کام بھی کر جائیں اور ایک ایسا ادارہ قائم کریں جو سود کے بغیر لین دین کرتا ہو، شروع میں وہ بحث کرتے رہے کہ سود کے بغیر کیسے کام چلے گا، میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ماتحت ہزاروں تجارتی ادارے ہیں، اربوں کی آپ کی آمدنی ہے، اگر ایک ادارے کو غیر سودی طریقے پر چلانے کے نتیجے میں نقصان بھی ہو جائے تو اس کو اللہ کے لئے برداشت کر لیں۔ کہنے لگے:- مولوی صاحب! بات تو آپ صحیح کہتے ہیں، لیکن اس ہاتھ میں جو کھجلی ہے، اس کا کیا کروں؟ واقعی ہاتھ میں پیسے بڑھانے کی کھجلی لگ جاتی ہے، اب بتایئے وہ کھجلی والا آدمی راحت میں ہے یا وہ شخص جس کو دال روٹی مل رہی ہے اور اطمینان سے فراغت کے ساتھ مطمئن ہو کر کھا رہا ہے، وہ راحت میں ہے؟

وہ مال کس کام کا جو اولاد سے ملاقات نہ کرا سکے

کیا یہ کھجلی راحت اور آرام کی چیز ہے؟ اس کھجلی کا نتیجہ یہ ہے کہ باپ کو بیٹے کی خبر نہیں، بیٹے کو باپ کی خبر نہیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک تاجر آئے اور بتایا کہ میں فلاں جگہ کام کرتا ہوں اور میرا بیٹا فلاں جگہ کام کرتا ہے اور بات چیت کے دوران معلوم ہوا کہ پندرہ سال سے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی۔ ارے وہ مال کس کام کا جو باپ کو اولاد سے نہ ملا سکے اور جو اولاد کے ساتھ رہنے کی لذت عطا نہ کر سکے۔

بہرحال! یہ طلب دنیا بذات خود ایک عذاب ہے، جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آخرت کے مقابلے میں تو یہ دنیا عذاب ہے ہی، لیکن بذات خود طلب دنیا ایک عذاب ہے، لہٰذا اس اعتبار سے بھی یہ دنیا قابل نفرت ہے۔ اگر کوئی چیز راحت دینے والی ہے تو وہ "قناعت" ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جائز اور حلال اور مشروع طریقے پر جو کچھ عطا فرمایا ہے، میرے لئے تو وہی کائنات ہے، اسی میں میرے لئے مزہ اور لذت ہے۔

دنیا کے اعتبار سے نیچے والوں کو دیکھو

اسی وجہ سے دین کے معاملے میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھو اور دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو، یہ دیکھو کہ دنیا میں ہزارہا لوگ مال کے اعتبار سے تم سے کمتر ہیں اور پریشانی میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں وسعت عطا فرمائی ہے اور ان لوگوں سے بہتر عطا فرمایا ہے اور ان پریشانیوں سے نجات عطا فرمائی ہے۔ اسی لئے حضرت والا نے فرمایا کہ غالب

دنیا کوئی راحت میں نہیں ہے، چنانچہ اگر ان کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو چھوڑ کر ان کی اندرونی حالت کو ان کے پاس رکھو تو معلوم ہوگا کہ کوئی پریشانی سے خالی نہیں، ہر آدمی کے اندر دنیا کا روگ لگا ہوا ہے۔

ایک مجذوب کی قناعت

آگے فرمایا کہ بخلاف طالب آخرت کے، کہ سب کے سب راحت میں ہیں'' کیوں؟ اس لئے کہ ان کو قناعت حاصل ہے اور قناعت کے نتیجے میں ان کو کوئی فکر ہی نہیں۔ ہمارے دیوبند میں ایک ٹیلہ پر ہماری ہمشیرہ کا ایک مکان تھا، وہاں ایک مجذوب پڑا رہتا تھا، ہماری ہمشیرہ اس سے کہتیں کہ فلاں چیز بازار سے لادو، وہ لے آیا کرتا تھا اور اس کے عوض میں ہمشیرہ اس کو پیسے یا کھانا دیدیا کرتی تھیں، وہ مجذوب کبھی بات مان لیتا تھا اور بازار چلا جاتا تھا اور کبھی منع کر دیتا تھا۔ ایک مرتبہ ہمشیرہ نے اس سے کہا کہ فلاں چیز بازار سے لادو، تمہیں ایک پیسہ دوں گی، اس مجذوب نے کہا کہ میں نہیں جاتا، ہمشیرہ نے پوچھا کہ کیوں نہیں جاتے؟ اس مجذوب نے کہا کہ مجھے بھوک نہیں ہے؟ مطلب یہ تھا کہ کام میں اس وقت کروں جب بھوک لگی ہو اور پیسوں کی ضرورت ہو، تاکہ ان پیسوں سے کھانا خریدوں اور بھوک مٹاؤں، ابھی تو مجھے بھوک نہیں ہے، لہٰذا مجھے کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

فقیری کے اندر سکون اور اطمینان ہے

آپ اس شخص کی ''قناعت'' دیکھیں کہ یہ کہتا ہے کہ جب پیسوں کی ضرورت ہوگی تو کام کروں گا، ابھی کیا ضرورت ہے، جب بھوک ہوگی تو اس

وقت مزدوری کر کے پیسہ کما لوں گا، لیکن اس شخص کے چہرے پر جو فراغت اور جو اطمینان اور سکون اور راحت کی شادابی نظر آتی تھی، وہ بڑے بڑے مالداروں کے چہروں پر نہیں دیکھی، اس لئے کہ اس کے اندر ''قناعت'' تھی اور اس فقیری کے اندر اس کو اطمینان اور سکون حاصل تھا۔ لہٰذا پتہ چلا کہ اطمینان اور راحت کے لئے دنیا کے اسباب ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ اللہ جل شانہ کی عطا ہے، وہ اگر چاہیں تو دال روٹی میں عطا فرما دیں بشرطیکہ انسان کے اندر آخرت کی طلب ہو، اور اگر وہ نہ دے تو پھر بڑی کوٹھی اور بنگلے میں بھی نہ دے اور وہ کوٹھی اور بنگلے کے اندر بھی تڑپتا رہے۔ اسی لئے حضرت والا نے فرمایا کہ ''بخلاف طالب آخرت کے کہ سب کے سب راحت میں ہیں''۔ اس لئے کہ اوّل تو دنیا کی حقیقت ان کے پیش نظر ہے اور دوسرے زیادہ کی طلب نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ''قناعت'' عطا فرما رکھی ہے، اس لئے زندگی آرام سے گزر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قناعت کی زندگی عطا فرما دے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۶۳

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

دنیا کی محبت عقلیہ ممنوع ہے

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴

مجلس نمبر : ۶۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مجلس نمبر ۶۳

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

دنیا کی محبت عقلیہ ممنوع ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُاَنْ لَّا إِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ!

کسب دنیا ممنوع نہیں

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

میں کسب دنیا سے منع نہیں کرتا بلکہ حب دنیا سے منع کرتا ہوں "کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ" بلکہ قُلْ اِنْ کَانَ آبَاؤُ کُم وَ اَبنَاؤُ کُم الخ میں تو اللہ تعالیٰ کی کمال رحمیت کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی محبت سے بھی منع نہیں کرتے بلکہ احبّیت سے منع کرتے ہیں کہ دنیا کی محبت اللہ ورسول کی محبت سے زیادہ ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ اطاعت احکام میں اختلال ہو جائے، بلکہ طبعی احبّیت سے منع نہیں کرتے، صرف عقلی احبّیت سے منع فرماتے ہیں، اور احبّیت عقلیہ کا معیار یہ ہے کہ اطاعت احکام اور جہاد فی سبیل اللہ میں کمی نہ ہو، اگر یہ معیار محفوظ ہے تو پھر طبعی محبت اگر دنیا سے یا بیوی سے یا اولاد سے زیادہ بھی ہو تو کچھ ڈر نہیں، اگر ایک شخص اپنے بیٹے کے مرنے پر زیادہ روئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے واقعہ کو سن کر زیادہ نہ روئے تو مؤاخذہ نہ ہوگا، مؤاخذہ اس پر ہوگا کہ تزاحم دین ودنیا کے موقع پر دنیا کو دین پر

ترجیح دے، اور اگر یہ نہ ہو بلکہ دنیا کی محبت اور حرص کو دبا کر دین پر فدا کر دے، گو ترک دنیا سے حزن بھی ہو اور دل بھی دکھے تو اس پر مواخذہ تو کیا ہوتا، اس سے ثواب بڑھے گا، کمال تقویٰ یہی ہے کہ دنیا کی حرص و محبت ہوتے ہوئے بھی اس کا مقابلہ کیا جائے۔

شہوتِ دنیا مثل گلخن است
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است

خلاصہ یہ کہ محض حرص دنیا مذموم نہیں بلکہ اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا مذموم ہے۔ (انفاس عیسیٰ، ص ۱۷۸)

قرآنِ کریم کا ارشاد

قرآن کریم کی آیت ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

(سورۃ التوبۃ، آیت ۲۴)

یعنی اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا

قبیلہ اور خاندان، اور تمہارے وہ مال و دولت جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم اندیشہ رکھتے ہو اور وہ گھر جن (میں رہنے) کو تم پسند کرتے ہو، اگر یہ سب چیزیں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دیں۔

فی نفسہٖ دنیا کی محبت مذموم نہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس ملفوظ میں یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اس آیت میں وعید ان چیزوں کے زیادہ محبوب ہونے پر ہے کہ یہ چیزیں اللہ اور رسول سے زیادہ محبوب نہیں ہونی چاہئیں، معلوم ہوا کہ اگر ان چیزوں سے فی نفسہٖ محبت ہو تو تنہا یہ محبت مذموم نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ نہ تو کسب دنیا سے منع کیا اور نہ دنیا کی ایسی محبت سے منع کیا جو اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے زیادہ نہ ہو، ایسی محبت کی بھی اجازت دیدی۔

دنیا کی محبت زیادہ ہونے کی علامت

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے پتہ چلے گا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت زیادہ ہے یا دنیا کی محبت زیادہ ہے؟ اس کا جواب حضرت والا نے یہ دیا کہ "جس کی علامت یہ ہے کہ اطاعت احکام میں اختلال ہو جائے" یعنی جب مال و دولت میں انہماک کے نتیجے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں خلل آجائے تو سمجھ لو کہ دنیا کی محبت بڑھ گئی، یہ مقام ڈرنے کا ہے اور گناہ ہے۔

طبعی احبّیت بھی ممنوع نہیں

آگے حضرت والا نے اور آسانی کی بات ارشاد فرمائی کہ "بلکہ طبعی احبّیت سے منع نہیں کرتے، صرف عقلی احبّیت سے منع فرماتے ہیں"۔ اس میں ہمارے آپ کے لئے اور آسانی کر دی، یعنی اگر کسی شخص کو طبعی طور پر دنیا کی کسی چیز سے زیادہ تعلق اور زیادہ محبّت ہے اور اس چیز کی طرف زیادہ شوق محسوس ہوتا ہے یا اس کی طرف طبعی میلان زیادہ ہے اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف طبعی میلان اس درجے کا نہیں ہے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ طبعی ہونے کی وجہ سے غیر اختیاری ہے اور غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اس پر مؤاخذہ اور گناہ بھی نہیں۔

عقلی محبّت اللہ اور اس کے رسول سے ہونی چاہئے

البتہ عقلی محبّت دنیا کی چیزوں کے مقابلے میں اللہ اور اس کے رسول سے زیادہ ہونی چاہئے، یعنی عقل سے سوچو کہ دنیا کی یہ چیزیں فانی ہیں، ناپائیدار اور بے حقیقت ہیں، البتہ ضرورت کے تحت ان کو اختیار کیا ہوا ہے، جبکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پائیدار ہے، ہمیشہ رہنے والی ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں، جب اتنی بات سوچ لی اور اس پر عقیدہ رکھ لیا تو بس عقلی محبت حاصل ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کوئی انتہا ہے کہ ایک طرف تو کسب دنیا سے منع نہیں کیا، دوسری طرف دنیا سے طبعی محبّت کی بھی اجازت دیدی، تیسری طرف دنیا سے ایسی عقلی محبت جو احبّیت کے درجے تک نہ پہنچی ہو، اس کی بھی اجازت

دیدی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کا واقعہ

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم وهو آخذ بيد عمر بن الخطاب رضى الله عنه، فقال له عمر: يا رسول الله! لأنت أحب إلىّ من كل شئ إلّا نفسي، قال: لا والذي نفسي بيده حتى اكون أحب اليك من نفسك، فقال له عمر: فإنه الآن والله لأنت احب إلىّ من نفسي، قال: الآن يا عمر،

(بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

صحابی فرماتے ہیں کہ ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور حضور ﷺ حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ! آپ مجھے اپنے نفس کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تم مؤمن نہیں ہوسکتے) جب تک میں تمہارے نفس سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اب اے عمر)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاف گوئی دیکھئے، کیا دوسرا

کوئی شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کہے گا کہ مجھے آپ سے اتنی محبت نہیں، لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حقیقی کیفیت تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کردی تاکہ اگر یہ کوئی بیماری ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کا علاج فرمادیں گے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارا تو فوراً حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''الآن یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اب آپ جان سے بھی زیادہ محبوب ہوگئے۔

اچانک یہ انقلاب کیسے آگیا؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک دم کیسے انقلاب آگیا؟ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو فرمارہے تھے کہ آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب نہیں ہیں اور اب فرمارہے ہیں کہ اب آپ جان سے بھی زیادہ محبوب ہوگئے، یہ ایک لمحہ میں کیسے انقلاب آگیا؟ محدثین نے اس کی دو توجیہات کی ہیں، بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر ہاتھ مار کر تصرف فرمایا، اس کے نتیجے میں محبت میں جو کمی تھی وہ ختم ہوگئی اور جس درجے کی محبت کی ضرورت تھی، وہ حاصل ہوگئی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ محبت طبعی سمجھے

دوسرے علماء نے اس کی توجیہ یہ کی ہے اور حکیم الامت حضرت تھانوی

رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اختیار فرمایا ہے، وہ یہ کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث سنی تو آپ یہ سمجھے کہ محبت سے مراد ''محبت طبعی'' ہے، یعنی طبعی محبت بھی اپنی جان، اپنے مال، والدین اور اولاد کے مقابلے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہونی چاہئے، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ طبعی محبت تو مجھے اپنی جان سے زیادہ ہے۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خیال صحیح نہیں تھا بلکہ آپ کو غلط فہمی تھی، کیونکہ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد ''محبت طبعی'' نہیں تھی بلکہ ''محبت عقلی'' تھی، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مار کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم بات غلط سمجھے، اس لئے کہ میری مراد ''محبت عقلی'' ہے جو تمہیں پہلے ہی سے الحمدللہ حاصل ہے، اس وقت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے غلط خیال کا تنبہ ہوا اور یہ غلط فہمی حضور علیہ السلام کی برکت سے دور ہوگئی اور آپ نے فرمایا ''اَلآن'' یعنی اب بات میری سمجھ میں آگئی اور واقعۃً عقلی محبت مجھے اپنی جان کے مقابلے میں آپ سے زیادہ ہے، یہ دوسری توجیہ تھی۔

محبت طبعی اختیار سے خارج ہے

بہرحال! جہاں کہیں محبت مطلوب ہے اور مامور بہ ہے، وہاں ''محبت عقلی'' مراد ہے، ''محبت طبعی'' مراد نہیں، کیونکہ وہ انسان کے اختیار سے خارج ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہیں تو اس شخص کے لئے حکم یہ ہے کہ دونوں کے درمیان مساوات کرے، اس حکم کا تو تقاضہ یہ ہے کہ محبت بھی دونوں کے

ساتھ برابر ہونی چاہئے لیکن جو محبت برابر ہونی چاہئے، وہ ''محبت عقلی'' ہے، ''محبت طبعی'' ایک بیوی سے زیادہ ہوسکتی ہے اور دوسری سے کم ہوسکتی ہے، اس پر مؤاخذہ نہیں، کیونکہ یہ غیر اختیاری ہے۔ البتہ مؤاخذہ اس وقت ہوگا کہ جب ایک بیوی سے ''محبت طبعی'' زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کرے جو دوسری بیوی کے ساتھ نہیں کر رہا ہے اور اس کے نتیجے میں عدم مساوات لازم آجائے تو اس پر مؤخذہ ہوگا اور پکڑ ہوگی۔

حضور ﷺ کا ازواج مطہرات کے ساتھ مساوات کرنا

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے ساتھ برابری کا سلوک اس طرح فرماتے تھے کہ دنیا میں کوئی دوسرا شخص اس درجے کا برابری کا سلوک نہیں کرسکتا، اور اس کے بعد فرماتے:

اَللّٰھُمَّ هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني
فيما لا املك۔

یا اللہ! میرے اختیار میں جتنی برابری کرنا تھا، وہ تو میں نے کرلی اور جو برابری میرے اختیار میں نہیں، اے اللہ! اس پر مؤاخذہ نہ فرمایئے۔ چنانچہ آپ کو جتنا قلبی تعلق ازواج مطہرات میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھا، ویسا تعلق اور کسی سے نہیں تھا، لیکن وہ طبعی تعلق تھا، البتہ عقلی محبت اور سلوک کے اعتبار سے آپ سب کے ساتھ برابری فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال! جہاں کہیں محبت مامور بہ ہے وہ محبت عقلی ہے۔

''محبت عقلی'' ضابطے کا تعلق ہے

البتہ یہ ''محبت عقلی'' ضابطے کا تعلق ہے اور روکھا سوکھا تعلق ہے، یہ جہنم سے بچنے کے لئے کافی تو ہے لیکن روکھا سوکھا ہونے کی وجہ سے کسی بھی وقت کم ہوسکتا ہے، لہٰذا اس ''محبت عقلی'' کو بڑھانے کے اسباب اختیار کئے جائیں جس کے نتیجے میں رفتہ رفتہ یہ ''محبت عقلی'' ''محبت طبعی'' میں تبدیل ہوتی چلی جائے اور بالآخر طبعی محبت کے اعتبار سے بھی اللہ اور اس کے رسول ہی دوسری چیزوں کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہو جائیں۔

محبت عقلی کو محبت طبعی میں تبدیل کرنے کا طریقہ

اور یہ ''محبت عقلی'' ''محبت طبعی'' میں کس طرح تبدیل ہوتی ہے؟ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان ''محبت عقلی'' کے مقتضٰی پر مداومت کرے اور پابندی کرے، کیونکہ جب عقلی طور پر یہ عقیدہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت زیادہ ہونی چاہئے تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو مقدم کرکے اپنی خواہشات دنیویہ کو اس کے مقابلے میں کچلتا رہے کچلتا رہے تو رفتہ رفتہ یہ ''محبت عقلی'' ''محبت طبعی'' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

مولوی اور صوفی کی محبتوں میں فرق

''مولوی'' اور ''صوفی'' میں یہی فرق ہے کہ ''مولوی'' کی محبت ''محبت عقلی'' اور صوفی کی محبت ''محبت طبعی'' ہوتی ہے۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ مولوی کو

چاہئے کہ وہ کسی صوفی کے پاس جائے اور اس کی صحبت اٹھائے، اور اس سے فیض حاصل کرے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مولوی کا کتابیں پڑھنے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ صرف ضابطے کا روکھا پھیکا تعلق قائم ہوتا ہے، یہ ضابطے کا تعلق اس کو جہنم سے تو بچالے گا بشرطیکہ وہ احکام پر عمل کرتا رہے، لیکن اگر اس مولوی نے اسی ضابطے کے تعلق پر اکتفا کئے رکھا تو اس بات کا خطرہ ہے کہ کسی وقت دوسری چیزوں کی جو محبت طبعی اس کے دل میں ہے، وہ غالب آجائے اور محبت عقلی مغلوب ہو جائے۔

محبت عقلی کو ''محبت طبعی'' میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں

کتاب میں تو ہم نے پڑھ لیا کہ ''محبت عقلی'' کافی ہے اور اس پر ہم خوش ہیں کہ ہمیں ''محبت عقلی'' حاصل ہے، اب اگر ہمیں دنیا کی محبت زیادہ لگ رہی ہے اور بیوی بچوں کی اور مال و دولت کی محبت زیادہ معلوم ہو رہی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ محبت طبعی ہے۔ بات تو ٹھیک ہے، لیکن بات دراصل یہ ہے کہ جب تک اس محبت طبعی کو قابو نہیں کرو گے تو اس بات کا خطرہ رہے گا کہ یہ محبت طبعی کسی وقت محبت عقلی پر غالب نہ آجائے اور کوئی گناہ نہ کرالے، ورنہ محبت عقلی تو ہر مؤمن کو حاصل ہے، کیونکہ جو شخص اس بات پر ایمان لے آیا کہ میرا خالق اللہ تعالیٰ ہیں، میرے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، وہی کارساز ہیں، وہی محبت کے لائق ہیں، جو آدمی ان باتوں پر ایمان لے آیا، اس کو محبت عقلی تو حاصل ہوگئی، لیکن اس کے بعد جو گناہ سرزد ہوتا ہے، وہ اس لئے ہوتا ہے کہ محبت طبعی اس محبت عقلی پر غالب آجاتی ہے اور گناہ کرادیتی ہے۔ لہٰذا محنت اور

مشق اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، پھر اس مجاہدے کے نتیجے میں یہ محبت عقلی محبت طبعی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسی محبت طبعی کا نام "عشق" ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا ایک واقعہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور وہاں چالیس دن قیام کیا اور آپ کی صحبت اٹھائی، جب چالیس دن کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ واپس جانے لگے تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ میاں رشید احمد! ہم نے جو کچھ تمہیں دینا تھا، وہ دے دیا۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بعد میں فرماتے تھے کہ میں نے اس وقت بہت غور کیا کہ کیا دے دیا؟ بارہ سال تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا دیا، بارہ سال کے بعد پتہ چلا کہ اچھا یہ چیز دی، یہ وہ چیز تھی جس کو خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی کہ:

زہد زاہد را و دین دیندار را
زرّہ دردِ دل عطار را

یعنی اے اللہ! آپ زاہد کو زہد دیدیں اور دیندار کو دین دیدیں، جس کو جو چاہیں دیں لیکن مجھے دردِ دل کا ایک ذرہ عطا فرما دیں۔ وہ دردِ دل کا ذرہ جو خواجہ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے مانگا اور جس کے بارے میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بارہ سال بعد پتہ چلا کہ یہ چیز دی، وہ دردِ دل کا ذرہ یہی "محبت طبعی" ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کا مقام

جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ واپس گنگوہ پہنچے تو ایک مدت تک عجیب عالم استغراق میں رہے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خط بھی نہیں لکھا، یہاں تک کہ خود حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خط لکھا کہ مدت سے آں عزیز کی کوئی خیریت معلوم نہیں ہوئی کس حال میں ہیں؟ جواب میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ "حضرت! بار بار لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اس لئے نہیں لکھ سکا کہ میں اپنی حالت زار آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں، البتہ آپ کے فیض صحبت سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ الحمدللہ! شریعت طبیعت بن گئی ہے اور مادح اور ذام یکساں ہوگئے ہیں، یعنی کوئی تعریف کرے یا کوئی برائی کرے، دونوں میں کوئی فرق ہی معلوم نہیں ہوتا اور کسی مسئلہ شرعی میں الحمدللہ کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

یہ مقام تو ہمیں بھی حاصل نہ ہوا

جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ملا تو اس خط کو پڑھ کر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا کہ یہ مقام تو اب تک ہمیں بھی حاصل نہیں ہوا جو ان کو حاصل ہوگیا۔ کیسے شیخ تھے اور کیسے مرید تھے۔

شریعت طبیعت بن گئی ہے

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی بات جو ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ:

''شریعت طبیعت بن گئی ہے'' یعنی درد دل کے ذرہ نے شریعت کو طبیعت بنا دیا ہے، جب تک مدرس تھے اور پڑھا رہے تھے اور طالب علم تھے، اس وقت تک شریعت سے عقلی محبت تھی اور جب شیخ سے اپنی اصلاح کرالی تو اب وہ محبت عقلی محبت طبعی میں تبدیل ہوگئی، اب طبیعت ہی وہ کام کرنا چاہتی ہے جو شریعت کا تقاضہ ہے اور خلاف شرع کی طرف طبیعت جاتی ہی نہیں۔ قرآن کریم میں صحابہ کرامؓ کے لئے اسی نعمت کو ذکر فرمایا ہے کہ:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط (سورۃ الحجرات، آیت ۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر و فسق کو اور نافرمانی کو تمہارے دلوں میں مکروہ اور ناپسند بنا دیا، گویا کہ محبت عقلی کو تمہارے لئے محبت طبعی بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ دولت عطا فرمادے۔ آمین۔

صحابہ کرام اور محبّت طبعیہ

لہٰذا حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبّت ملی، وہ واقعۃً اتنی محبت طبعی تھی کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی ہر چیز ان کی نظر میں ہیچ در ہیچ تھی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ۔

ان کو ''راشد'' ہونے کی سند دیدی۔ یہ سند ان کو اس مجاہدے کی وجہ سے ملی کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو مٹا دیا تھا اور اپنی تمناؤں کو فنا کر دیا تھا، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی جو محبت آتی ہے وہ محبت ایسی پائیدار ہوتی ہے کہ اس کے آگے دنیا کی محبت ہیچ در ہیچ ہوتی ہے۔

عشق تو ایک ہی ذات سے ہونا چاہئے

اقبال بعض اوقات بڑی حکمت کی بات کہتا ہے، ایک شعر میں وہ کہتا ہے:

وہ عشق جس کی آگ بجھا دے اجل کی پھونک
اس میں مزہ نہیں تپش انتظار کا

یعنی عشق مجازی کی آگ کو تو اجل کی پھونک بجھا دیتی ہے، ایسے ناپائیدار عشق کی تپش میں کوئی مزہ نہیں۔ عشق تو ایک ہی ذات سے ہونا چاہئے جو ذات لافانی ہے، اس کا عشق بھی پائیدار ہے، وہ کبھی نہیں مٹ سکتا، کبھی بجھ نہیں سکتا، یہ عشق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنی خواہشات کو اللہ کے لئے فنا کر کے اور اپنی تمناؤں کو اللہ کے لئے کچل کچل کر اس دل کو اللہ کے لئے خالی کرتا ہے تو اس کے بعد یہ عشق حقیقی حاصل ہوتا ہے۔

اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

حضرت مجذوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے، حضرت تھانوی رحمۃ

اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے پاس ایک لاکھ روپے ہوتے تو میں تمہیں اس شعر پر دیدیتا، وہ عجیب شعر نہ جانے کس عالم میں کہا ہے، وہ یہ ہے کہ:

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

اس میں اشارہ اللہ جل شانہ کی طرف ہے کہ میرے دل میں دنیا کی جتنی خواہشات، آرزوئیں اور تمنائیں تھیں، وہ سب میں نے ختم کر ڈالیں، اب کوئی تمنا دل میں باقی نہیں رہی، اب اس دل کو میں نے خلوت کدہ بنالیا ہے، اے اللہ! اب یہ دل آپ کی تجلی گاہ بننے کا منتظر ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ نکلا کہ جس شخص کے پاس بھی ایمان ہے، الحمدللہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت بلکہ احبیت عقلیہ تو حاصل ہے، لیکن چونکہ وہ محبت عقلیہ علی معرض الخطر ہے، اس لئے اس کو یہ فکر کرنی چاہیئے کہ اس کی یہ محبت عقلی محبت طبعی میں تبدیل ہو جائے، اس کے لئے محبت اور مجاہدہ کرنا پڑتا ہے، لہٰذا جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام کا مقابلہ ان خواہشات سے ہو جائے، وہاں ان خواہشات کو کچلو، کچلنے کے نتیجے میں یہ خواہشات کشتہ بن جائیں گے اور ان کے کشتہ بننے کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ حقیقی محبت عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو حقیقی محبت عطا فرمادے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مجلس نمبر ۶۴

حُبِّ جاہ اور اس کا علاج

حُبِّ جاہ کی حقیقت

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴

مجلس نمبر : ۶۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس نمبر ۶۴

حُبِّ جاہ اور اس کا علاج

حُبِّ جاہ کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَ نُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا ۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُاَنْ لَّا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا ۔

اَمَّا بَعْدُ!

تمہید

پچھلے چند روز سے ''حُبِّ دنیا'' کا بیان چل رہا تھا، حُبِّ دنیا کے بارے میں حضرت والا کے مختلف ارشادات کی تشریح عرض کر دی اور بقدر ضرورت اس کا بیان الحمدللہ ہوگیا۔ آگے ''حُبِّ جاہ'' سے متعلق حضرت والا کے ارشادات ذکر کئے گئے ہیں۔ حُبِّ مال اور حُبِّ دنیا'' کی طرح ''حُبِّ جاہ'' بھی ایک بہت بڑا رذیلہ ہے اور یہ بھی باطن کی بہت بڑی بیماری ہے۔

''جاہ'' کی تعریف

''جاہ'' کے معنی ہیں ''مرتبہ'' ''اسٹیٹس'' مثلاً کوئی بلند مرتبہ حاصل ہوگیا، یا کوئی بڑا عہدہ مل گیا، یا لوگوں میں شہرت حاصل ہوگئی، مقبولیت حاصل ہوگئی، لوگ عزت کرتے ہیں، تعریف کرتے ہیں، اس کا نام ''جاہ'' ہے، یعنی لوگوں کے ذہنوں میں ایسا مرتبہ پیدا ہو جانا جس کی بنا پر لوگ عزت کریں اور لوگ تعریف کریں۔

حُبِّ جاہ ہلاک کرنے والی بیماری ہے

اس ''جاہ'' کا آغاز ''حُبِّ مدح'' سے ہوتا ہے، یعنی دل میں یہ خواہش پیدا ہونا کہ دوسرے لوگ میری تعریف کریں۔ گویا کہ ''تعریف پسندی'' سے حُبِّ جاہ کا آغاز ہوتا ہے، اور جب یہ ''حُبِّ جاہ'' آگے بڑھتی ہے تو یہ بھی ''حُبِّ مال'' کی طرح انسان کو ہلاک کر دیتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما ذئبان جائعان ارسلا فی غنم بافسد لهامن حرص المرء علی المال و الشرف لدینه۔

(ترمذی، کتاب الزہد، باب حرص المرء علی المال والشرف لدینہ)

یعنی اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ بھیڑیے اتنا فساد نہیں مچائیں گے جتنا فساد "جاہ کی محبت" اور "مال کی محبت" انسان کے دین میں مچاتی ہیں۔ ایک تو بھیڑیا اور اوپر سے بھوکا اور پھر اس کو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیا گیا ہو، اندازہ کریں کہ وہ بھیڑیا کتنا زبردست فساد مچائے گا اور کتنی بکریوں کو چیر پھاڑ کر دے گا۔ لیکن یہ حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال انسان کے دین میں اس بھیڑیے سے بھی زیادہ فساد مچاتے ہیں اور انسان کے دین کو تباہ کر دیتے ہیں، دل کو تباہ کر دیتے ہیں، روحانی مراتب کو ختم کر دیتے ہیں، اخلاص کو ختم کر دیتے ہیں۔

حُبِّ جاہ کا پہلا حملہ اخلاص پر

دیکھئے! اگر اعمال سے "اخلاص" ختم ہو جائے تو پھر کیا باقی رہے گا، اگر اخلاص نہ رہا تو پھر عبادت بھی باقی نہیں رہے گی، نماز پڑھی تو وہ بیکار، اس لئے کہ اخلاص نہیں، روزہ رکھا تو وہ بیکار، اس لئے کہ اخلاص نہیں، حج کیا یا عمرہ کیا تو وہ سب بیکار، اس لئے کہ اخلاص نہیں، لہٰذا اگر اعمال سے اخلاص نکل جائے

تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ اور اس ''حُبِّ جاہ'' کا سب سے پہلا وار اخلاص پر ہوتا ہے، کیونکہ حُبِّ جاہ پیدا ہونے کے بعد آدمی جو بھی عمل کرتا ہے، وہ لوگوں کی تعریف حاصل کرنے کی غرض سے کرتا ہے، تاکہ لوگ میری تعریف کریں، تاکہ لوگوں میں میری شہرت ہو، تاکہ لوگوں میں میری مقبولیت ہو، جب ان اغراض کے لئے وہ اعمال کر رہا ہے تو اخلاص فنا ہو گیا اور جب اخلاص فنا ہو گیا تو ہر عبادت فنا ہو گئی۔

اخلاص ختم ہونے سے کچھ نہیں بچتا

اسی لئے اس حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ''حُبِّ مال'' اور ''حُبِّ جاہ'' دو بھوکے بھیڑیوں کے برابر فساد مچائیں گے، بلکہ فرمایا کہ اس سے زیادہ فساد مچائیں گے، کیونکہ وہ بھیڑیے تو صرف بکریوں کا گوشت کھائیں گے لیکن ہڈیاں چھوڑ دیں گے، ہو سکتا ہے کہ کھال چھوڑ دیں، دم چھوڑ دیں، پاؤں چھوڑ دیں، گویا کہ اکثر حصہ اگرچہ کھالیں گے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ حصہ چھوڑ دیں گے، لیکن اگر حُبِّ جاہ اور حُبِّ مال انسان کے دین پر حملہ آور ہو جائیں۔ العیاذ باللہ۔ تو پھر کچھ نہیں بچے گا، اس لئے کہ ہر کام میں اخلاص ختم ہو جائے گا اور اخلاص کے ختم ہونے سے کچھ نہیں بچتا، سارا عمل اکارت ہو جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ یہ حُبِّ مال اور حُبِّ جاہ دو بھوکے بھیڑیوں سے زیادہ فساد مچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

''جاہ'' ایک ناپائیدار اور غیر اختیاری چیز ہے

یہ ''جاہ'' انتہائی ناپائیدار چیز ہے بلکہ ہوائی چیز ہے، جہاں تک ''مال'' کا تعلق ہے، اس کی تو پھر بھی کچھ حقیقت ہے، پیسے رکھے ہیں، جب ضرورت پیش آئے گی تو انسان اس کے ذریعہ بازار سے چیز خرید لے گا، اپنی حاجات اور اپنی خواہشات انسان اس کے ذریعہ سے پوری کر لے گا، لیکن ''جاہ'' محض اعتباری چیز ہے اور اعتبار بھی اپنا نہیں بلکہ دوسرے کا اعتبار، یعنی دوسرا شخص مجھے ایسا سمجھے، دوسرا شخص میری تعریف کرے، یہ جاہ ہے اور دوسرے کا کام انسان کے اپنے اختیار میں نہیں، پتہ نہیں میرے اس فعل پر دوسرا تعریف کرے گا یا نہیں، لیکن تمہارے دل میں اس بات کی طلب پیدا ہوگئی ہے کہ دوسرے لوگ مجھے اچھا سمجھیں، دوسرے لوگ میرے تعریف کریں، اور تعریف کرنا دوسروں کے اختیار میں ہے تمہارے اختیار میں نہیں، اس اعتبار سے یہ ''حبِ جاہ'' ایک ناپائیدار اور ہوائی چیز ہے۔

منصب اور عہدہ سے ''جاہ'' کا حصول ضروری نہیں

انسان کے اختیار میں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ کوئی منصب حاصل کرلے، کوئی عہدہ حاصل کرلے، لیکن تنہا منصب اور عہدے سے تو جاہ حاصل نہیں ہوتی، جاہ تو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب اس منصب اور عہدے کے نتیجے میں لوگوں میں وقعت پیدا ہو، ورنہ کتنے منصب اور عہدے والے ایسے ہیں کہ ان کو منصب اور عہدہ تو مل گیا مگر اس کے باوجود لوگوں کے دلوں میں ان

کی وقعت پیدا نہیں ہوئی، لہٰذا مقصد حاصل نہ ہوا۔ اس لئے یہ "جاہ" ایسی بے اعتبار اور بے ثبات چیز ہے کہ اس کا تعلق دوسروں سے ہے اور اس کا حاصل کرنا اپنے اختیار میں نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے انسان کو اس نکتہ پر غور کرنا چاہئے کہ میں کس مصیبت میں پھنس گیا اور ایک ایسی چیز کے پیچھے پڑ گیا جس کا تعلق دوسروں سے ہے اور اپنے اختیار میں نہیں ہے، اس فکر میں کہاں پڑ گیا؟ اس فکر کو چھوڑ دوں۔

دوسرے کی تعریف ہوا میں اڑ جاتی ہے

دوسرے یہ کہ اگر کسی نے تمہاری تعریف کر بھی دی، مثلاً آپ نے تقریر کی اور لوگوں نے آپ کی تعریف کر دی کہ جناب! آپ نے بہت عمدہ تقریر کی، یا یہ تعریف کی کہ آپ نے بڑا اچھا مضمون لکھا، یا آپ نے بڑا اچھا فتوی لکھا، آپ بڑے اچھے عالم ہیں، آپ نے بہت عمدہ بات کہی، یا کسی وقت کسی شخص نے آپ کی تعریف میں ایک جملہ کہہ دیا تو وہ جملہ ہوا میں اڑ گیا اور اس وقت وہ جملہ سن کر آپ کو جو لذت محسوس ہوئی کہ اس نے میری تعریف کی، وہ لذت ایک لمحہ بھر کی تھی، وہ لذت ہوا میں اڑ گئی۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اس لذت کو برقرار رکھنے کا کوئی طریقہ نہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اسی شخص سے کہیں کہ آپ نے جو بات فرمائی تھی، وہ بہت اچھی تھی، دوبارہ وہ بات فرما دیں، جب وہ دوبارہ کہہ دے تو پھر اس سے کہیں کہ ذرا تیسری مرتبہ یہ بات فرما دیں، نتیجہ یہ کہ چند لمحوں کے لئے اس نے

جو تعریف کی وہ ہوا میں اڑ گئی، اس لئے کہ یہ کہتے ہوئے شرم آئیگی کہ ذرا دوبارہ میری تعریف کرو۔

تعریف کو سوچ کر لطف لیتے رہو

لہٰذا تعریف کا جو جملہ کسی شخص نے تمہارے بارے میں ایک مرتبہ کہدیا وہ دوبارہ نہیں لوٹ سکتا، اب یہی ہوسکتا ہے کہ تم بیٹھے ہوئے تصور کرتے رہو کہ کیا اچھا وقت تھا جب فلاں شخص نے یہ جملہ کہا تھا اور اس کو سن کر بڑا لطف آیا تھا، یہ تصور کر کے مزے لیتے رہو۔ ''جاہ'' کی ساری حقیقت بس یہ ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، اس لئے یہ بالکل بے ثبات اور ناپائیدار ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں، ہوا میں اڑ جانے والی چیز ہے۔

حُبِّ جاہ ختم کرنے کا بہترین نسخہ

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''جاہ'' کے بارے میں ایک شعر پڑھا کرتے تھے، یاد رکھنے کے قابل ہے اور حُبِّ جاہ کو ختم کرنے کے لئے بہترین نسخہ ہے، فرماتے تھے کہ:

گرد ہو جاتی ہے حُبِّ جاہِ دنیا جس کے بعد
اک ذرا سی بات ہے اے دل کہ پھر کیا اس کے بعد

یعنی اگر آدمی یہ سوچے کہ ''پھر کیا اس کے بعد'' تو ساری ''حُبِّ جاہ'' ختم ہو جائے، کیونکہ اگر اس نے میری تعریف کر بھی دی اور مجھے اچھا کہہ بھی دیا تو اس

تعریف کا اور اس اچھا کہنے کا کیا حاصل؟ کچھ حاصل نہیں، کیا اس تعریف کرنے سے کچھ پیسے مل گئے؟ کچھ دولت مل گئی؟ کوئی جنت مل گئی؟ یا جہنم سے رہائی کا پروانہ مل گیا؟ کیا ملا؟ کچھ نہیں ملا، لہٰذا انسان یہ سوچے کہ اگر کسی نے میری تعریف کر دی تو کیا؟ نہیں کی تو کیا؟

مخلوق کی تعریف کا کیا اعتبار

تعریف بھی ایسی مخلوق نے کی جس کی نہ تو تعریف کا کوئی بھروسہ اور نہ تنقید کا کوئی بھروسہ، آج تعریف کر رہا ہے تو کل کو گالی دے گا، آج تو اس نے تمہاری تعریف کر دی لیکن کل کو جب آپ ذرا سی کوئی بات اس کی طبیعت کے خلاف کر دیں گے تو وہ ساری تعریفیں دھری رہ جائیں گی اور آپ کو گالی دیتا پھرے گا، بُرا بھلا کہتا پھرے گا، اس لئے کہ جو تعریف کرتا ہے وہ کبھی نہ کبھی بُرائی بھی کرے گا، خاص طور پر وہ لوگ جو نہ تو تعریف کرتے وقت حدود کے پابند رہتے ہیں اور نہ تنقید کرتے وقت حدود کے پابند رہتے ہیں، لہٰذا کسی کی تعریف سے خوش ہونا بے کار اور بے فائدہ ہے۔

پیا جسے چاہے سہاگن وہی

بلکہ اس ذات کی تعریف حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے سامنے پیش ہونا ہے، کسی کے ایک شعر کا ایک مصرعہ ہے کہ ؎

پیا جسے چاہے سہاگن وہی

"پیا" محبوب کو کہتے ہیں اور "سہاگن" اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ابھی شادی ہوئی ہو یعنی "دلہن" کو۔ اس مصرعہ کا مفہوم یہ ہے کہ دلہن وہ ہے جس کو اس کا شوہر چاہے اور اس سے محبت کرے۔ اس مصرعہ کا پس منظر یہ ہے کہ ایک لڑکی کی شادی ہونے والی تھی، اس کی سہیلیاں اس کا سنگھار پٹار کر کے اس کو بنا سنوار کر کے دلہن بنا رہی تھیں، اب جو خاتون اس کو دیکھنے کے لئے آئے، اس کی تعریف کرے کہ تو بہت اچھی لگ رہی ہے، تو بہت خوبصورت ہے، تو بہت حسین ہے، وہ دلہن سب کی تعریفیں سنتی لیکن خوشی کا اظہار نہ کرتی، کسی نے اس سے کہا کہ تیری سہیلیاں تیرے حسن کی اور خوبصورتی کی اتنی تعریفیں کر رہی ہیں تو تجھے اس سے خوشی کیوں نہیں ہو رہی ہے، کیا وجہ ہے؟

اس دلہن نے کہا کہ ان سہیلیوں کی تعریف سے خوش تو ہو رہی ہے لیکن ان کے تعریف کرنے سے مجھے کیا ملے گا؟ ہاں! جس کے لئے میں سنواری جا رہی ہوں اور جس کے پاس مجھے جانا ہے، وہ اگر تعریف کر دے اور یہ کہے کہ تو خوبصورت ہے، تب میرے فائدے کی بات ہوگی، تمہاری تعریف تو ہوا میں اڑ جائے گی۔ لہٰذا "پیا جسے چاہے سہاگن وہی"

مخلوق کی تعریف سے جنت نہیں ملے گی

ذرا سوچو! اگر کسی نے آپ کی تعریف کر دی کہ آپ بہت عمدہ نماز پڑھتے ہیں، آپ بہت خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے ہیں، ماشاء اللہ! آپ بڑے نیک ہیں، بڑے متقی ہیں، بڑے پرہیزگار ہیں، آپ بڑے بزرگ ہیں،

بتایئے! کیا لوگوں کی اس تعریف سے جنت مل جائے گی؟ اگر آپ کے اعمال بُرے ہیں تو اس تعریف کے نتیجے میں ان اعمال کے عذاب سے نجات ہو جائے گی؟ اس وجہ سے کہ زید عمر بکر نے آپ کی تعریف کی تھی؟ ظاہر ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوگے تو اس وقت ان لوگوں کی تعریفوں میں کوئی وزن نہیں ہوگا، وہاں پر تو تمہارے اپنے ان اعمال کا وزن ہوگا جو اچھے اعمال تم لے کر جاؤ گے۔

عالم کے ذریعہ جہنم دھکائی جائیگی

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سب سے پہلے جہنم جس کے ذریعہ دھکائی جائے گی، وہ عالم ہوگا جس نے اپنے علم کو "جاہ" حاصل کرنے میں استعمال کیا ہوگا، اس عالم سے کہا جائے گا کہ "تم نے یہ علم شہرت حاصل کرنے کے لئے حاصل کیا تھا، وہ شہرت تمہیں دنیا میں مل گئی، اب ہمارے پاس تمہارے لئے کوئی بدلہ نہیں۔ العیاذ باللہ العلی العظیم۔ لہٰذا دنیا کے لوگوں کی تعریف کا کچھ حاصل نہیں، لیکن اگر وہاں پہنچنے پر مالک الملک کی طرف سے یہ خوشخبری مل جائے کہ:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ
رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ
جَنَّتِيْ ۝ (سورۃ الفجر، آیت ۲۷ تا ۳۰)

تب تو کامیابی ہے، نہ یہ کہ زید عمر بکر یہ کہہ دیں کہ تم بڑے عالم ہو، متقی ہو،

پرہیزگار ہو، اس سے کچھ حاصل نہیں۔

عالم کیلئے نفس کی نگرانی ضروری ہے

یاد رکھئے! اس علم کے اندر ترفع کی شان ہے، اگر کسی کے پاس علم ہے تو اس کی خوشبو پھیلے گی اور لوگ متوجہ ہوں گے، اس کے نتیجے میں ''حُبّ جاہ'' کا بڑا اندیشہ ہوتا ہے، اس وجہ سے جو علم حاصل کرنے کی طرف لگا ہوا ہو، یا اس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو، اس کو اس میدان میں ہر وقت پھونک پھونک کر قدم رکھنے چاہئیں، کیونکہ کسی بھی وقت شیطان آ کر مار سکتا ہے۔ ایک شخص اچھے خاصے اخلاص کے ساتھ ایک کام شروع کرتا ہے، لیکن درمیان میں دسائس نفس اس کو گمراہ کر دیتے ہیں، اس لئے نفس کی ہر وقت نگرانی کرنی پڑتی ہے کہ کہیں راستے سے نہ بھٹک جاؤں اور اگر خود نگرانی نہ کر سکے تو پھر کسی شیخ سے کرانی پڑتی ہے، تب جا کر اس بیماری سے حفاظت ہوتی ہے۔

''قائد'' کی تعریف

آج کل علماء کے لئے، خطباء کے لئے، سیاسی قائدین کے لئے ایک چیز بہت بڑا فتنہ بن چکی ہے، وہ ہے ''خوشنودی عوام'' یعنی یہ دیکھا جائے کہ لوگ کس بات سے خوش ہونگے؟ اور پھر وہی کام کرو جس سے لوگ خوش ہوں، تاکہ عوام میں تعریف ہو کہ اس نے بڑا اچھا کام کیا ہے۔ ''قائد'' اس کو کہتے ہیں جو رہبری کرے، رہنمائی کرے اور لوگ اس کے پیچھے چلیں، اصل قائد اور لیڈر وہ ہوتا ہے جو لوگوں کو راستہ بتائے کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو، صحیح راستہ

یہ ہے، اس راستے پر آؤ، وہ قائد ہے۔

آج کے قائدین

آج ''قائد'' کا مطلب الٹا ہو گیا، آج ''قائد'' وہ ہے جو عوام کے پیچھے چلے اور جس کام میں عوام خوش ہوں، قائد وہی کام کرے، حالانکہ وہ قائد جانتا ہے کہ یہ عوام غلط راستے پر جا رہے ہیں، پھر بھی اس کے اندر یہ جرأت نہیں ہوتی کہ وہ عوام سے یہ کہہ دے کہ تم غلط راستے پر جا رہے ہو، میں جو بتا رہا ہوں، اس راستے پر آؤ، آج یہ کہنے کی جرأت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں یہ بات کہوں گا تو وہ مجھے گندے انڈے ماریں گے اور میرے اوپر کیلے کے چھلکے پھینکیں گے، میری بُرائی کریں گے، اور چونکہ عوام کی رضامندی حاصل کرنا ہی قائد کا مقصد ہوتا ہے، لہٰذا وہ قائد عوام کی غلط باتوں کو بھی گوارا کرتا ہے تاکہ ان کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا فرمان

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے کانٹے کی بات فرماتے تھے۔ فرماتے کہ بسا اوقات حکومت کی مرضی کے خلاف کوئی بات کر کے جیل میں چلے جانا اور وہاں کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر لینا آسان ہوتا ہے عوام کے گندے انڈوں اور کیلے کے چھلکوں اور ان کی گالیوں کے مقابلے میں، اس لئے کہ اگر جیل میں چلا گیا اور وہاں اے کلاس مل گئی تو وہاں اطمینان سے وقت گزارے گا اور جب جیل سے باہر نکلے گا تو مجاہد ملّت کے خطاب

الگ ملیں گے، اس کے برعکس عوام کی مرضی کے خلاف کوئی بات کہنا یہ بڑا مشکل کام ہے، اس لئے کہ بعض اوقات عوام کے خلاف کوئی بات کہنے سے عوام قتل تک کر دیتے ہیں۔ حضرت امام حاکم شہید رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور فقیہ ہیں، اسی میں شہید ہوئے کہ انہوں نے عوام کے خلاف کوئی بات کہہ دی، عوام کے ہجوم نے ان پر چڑھائی کر دی اور شہید کر دیا، اگر یہ نہ ہو تو کم از کم بدنامی اور عدم مقبولیت تو ہو ہی جاتی ہے۔

یہ سب "حُبِّ جاہ" کے شعبے ہیں

بہر حال! قائد کے اندر عوام کے پیچھے چلنے کا مرض پیدا ہو گیا ہے، یہاں تک کہ علماء کرام بھی وہ بات کہنے سے کتراتے ہیں جس سے نامقبولیت ہو، یہ سب "حُبِّ جاہ" کے شعبے ہیں، اس لئے کہ ہر کام کے اندر مقصود یہ ہے کہ عوام کی تعریف حاصل کی جائے، اسی وجہ سے مداہنت ہو رہی ہے، اسی وجہ سے حق بات کو الٹا کیا جا رہا ہے، حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھا اور کہا جا رہا ہے، ان سب کی بنیاد "حُبِّ جاہ" ہے۔

مخلوق کی خوشنودی کا خیال دل سے نکال دو

لہٰذا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مخلوق کی خوشنودی کا خیال دل سے نکالو اور یہ دل میں بٹھاؤ کہ اگر یہ مخلوق راضی بھی ہو گئی تو کیا اور ناراض ہو گئی تو کیا، راضی تو اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ دلوں میں یہ بات پیدا فرما دیں، اس دن یہ سارے "حُبِّ جاہ" کے فتنے ختم ہو جائیں گے اور اس کے نتیجے

میں وہ کیفیت حاصل ہو جائیگی جس کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا تھا کہ "مادح اور ذام یکساں ہوگئے ہیں" یعنی تعریف کرنے والا اور بُرائی کرنے والا برابر ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ نہ تو اس کی تعریف سے مجھے کچھ فائدہ حاصل ہوگا اور نہ اس کی بُرائی سے مجھے کچھ نقصان ہوگا۔

حُبّ جاہ نکالنے کی فکر پیدا کرو

لیکن یہ بات کہنا تو آسان ہے مگر یہ مقام رگڑے کھانے سے حاصل ہوتا ہے، جب آدمی کسی کے سامنے رگڑے کھاتا ہے، تب یہ گندگی دل و دماغ سے نکلتی ہے۔ اس کے نکالنے کے لئے کچھ مجاہدے کرنے پڑتے ہیں، مگر سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ یہ فکر پیدا کرو کہ ہمارے دلوں سے "حُبّ جاہ" نکلنی چاہئے، جب یہ فکر پیدا ہوگی تو مجاہدے کی بھی توفیق ہوگی اور کسی کے پاس جا کر اپنی اصلاح کرانے کی بھی فکر ہوگی، لیکن جہاں فکر ہی نہیں بلکہ غفلت ہے اور دماغ میں یہ خیال ہے کہ ہم تو عالم صاحب ہیں اور عالم صاحب کے لئے ضروری ہے کہ لوگ آ کر اس کے ہاتھ چومیں، اگر دماغ میں یہ بات بیٹھ گئی اور اسی کو اپنا مقصد زندگی بنالیا اور اس کے خلاف اپنی فکر نہ کی تو سب کیا کرایا اکارت ہو جائے گا، نہ علم کا کوئی فائدہ ہوگا اور نہ عمل کا کوئی فائدہ ہوگا، اس لئے کہ اخلاص ہی ختم ہوگیا۔ اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے ہمارے اندر یہ فکر پیدا فرمادے اور ہمیں اس غفلت سے نکال دے اور اخلاص عطا فرمادے اور حُبّ جاہ اور حُبّ مال ہمارے دلوں سے ختم فرمادے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مجلس نمبر ۶۵

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

کونسی جاہ مذموم ہے؟

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب
محمد عبداللہ میمن

میمن اسلامک پبلشرز
۱۸۸/۱، لیاقت آباد، کراچی ۱۹

مقام خطاب : جامع مسجد دار العلوم کراچی

وقت خطاب : بعد نماز ظہر۔ رمضان المبارک

اصلاحی مجالس: جلد نمبر ۴

مجلس نمبر : ۶۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجلس نمبر ۶۵

حُبِّ دنیا اور اس کا علاج

کونسی جاہ مذموم ہے؟

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَ نَسۡتَعِیۡنُہٗ وَ نَسۡتَغۡفِرُہٗ وَ نُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا ۔ مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُاَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَ رَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا ۔

اَمَّا بَعۡدُ!

کونسی جاہ مضر ہے؟

ایک ملفوظ میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا:

جس ''جاہ'' سے ضرر ہوتا ہے، یہ وہ جاہ ہے جو طلب سے حاصل ہو اور جو بدون طلب حاصل ہو، وہ مضر نہیں ہوتی، اس میں اللہ تعالیٰ کی امداد ہوتی ہے، اگر لوگ اس پر حسد کریں اور اس کو بُرا بھلا کہنے لگیں تو حق تعالیٰ اس کو قوی کر دیتے ہیں جس سے کوئی اذیت اس کے نزدیک اذیت نہیں رہتی، نیز ان مصائب سے جو باطنی ترقی ہوتی ہے، حق تعالیٰ اسے قلب پر منکشف فرما دیتے ہیں اور ہر واقعہ کی حکمت پر مطلع فرما دیتے ہیں، اب اسے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ (انفاسِ عیسیٰ، صفحہ ۱۸۲)

جیسا کہ کل عرض کیا تھا کہ ''حُبِّ جاہ'' باطنی بیماریوں میں بہت ہی سنگین اور بہت ہی خطرناک بیماری ہے، یہ ایسی چیز ہے جو بہت ناپائیدار ہے اور دوسروں کے اعتبار پر موقوف ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی ناپائیداری کا اور اس کے پیچھے لگنے کے حماقت ہونے کا استحضار کرتے رہنا چاہئے۔

دفع مضرت کیلئے جاہ ضروری ہے

اس ملفوظ میں حضرت والا یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ہر جاہ مضر نہیں اور ہر

جاہ ناپسندیدہ نہیں، بلکہ "جاہ" کا کچھ حصہ ایسا ہے جو انسان کے لئے ضروری ہے، خاص طور پر وہ "جاہ" جو دفع مضرت کے لئے ہو اور اپنے دفاع کے لئے ہو، اگر انسان کچھ بھی "جاہ" نہ رکھتا ہو تو لوگ آ کر اس کو ستائیں گے اور اس پر ظلم کریں گے اور اس کے پاس ظلم کے دفاع کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا تو یہ بھی پسندیدہ بات نہیں، اتنی جاہ تو ہونی چاہئے کہ جب آدمی کوئی بات کہے تو اس کی بات کو لوگ سن لیں اور اس کے ذریعہ اپنے سے مضرت کو دفع کر سکے۔

طلب سے حاصل ہونے والی جاہ مضر ہے

"جاہ" وہ مضر ہے جو انسان اپنی طلب اور اپنی کوشش سے حاصل کرے، مثلاً وہ یہ کوشش کرے کہ مجھے فلاں عہدہ مل جائے، فلاں منصب مل جائے، میری شہرت ہو جائے اور باقاعدہ اہتمام اور کوشش کر کے اس کو حاصل کرنے میں لگ جائے تب تو یہ مضر ہے، لیکن اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے اس کی طلب کے بغیر بیٹھے بٹھائے "جاہ" عطا فرما دی، یا بغیر طلب کے کوئی منصب عطا فرما دیا، یا لوگوں میں مقبولیت عطا فرما دی اور اس کے لئے اس نے کوئی کوشش نہیں کی تھی، اپنے قصد سے اس کے لئے کوئی اسباب اختیار نہیں کئے تھے، لیکن من جانب اللہ شہرت حاصل ہوگئی تو یہ مضر نہیں بلکہ مفید ہے۔

امارت کے بارے میں حدیث

اسی وجہ سے حدیث شریف میں "امارت" کے بارے میں حضور اقدس

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

لا تسئل الا مارة فانك ان أتتك عن غير مسئلة اعنت عليها وان اتتك عن مسئلة وكلت اليها۔

یعنی امیر اور سربراہ بننے کو طلب مت کرو، کیونکہ اگر وہ امارت تمہارے سوال کے بغیر تمہیں ملے گی تو اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی اور اگر تمہارے سوال کے نتیجے میں تمہیں امارت دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں امارت کے حوالے کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی مدد نہیں کی جائے گی، کیونکہ تم نے خود ہی طلب کی تھی، اب خود ہی اس سے نمٹو، ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں۔ اللہ بچائے۔ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرما دیں کہ ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں، خود ہی نمٹو، اس سے بڑا عذاب اور کیا ہوگا۔

بڑوں کی طرف سے ملنے والا منصب

لہٰذا جتنے مناصب اور عہدے ہیں، انسان ان کو حاصل کرنے کے پیچھے نہ پڑے، ہاں اگر اللہ تعالیٰ بغیر طلب کے عطا فرما دیں تو اس کو قبول کرو اور یہ سمجھو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، انشاء اللہ پھر وہ منصب اور عہدہ مضر نہیں ہوگا۔ لہٰذا یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کسی منصب پر بڑے بٹھا دیں کہ یہاں بیٹھ جاؤ تو وہاں بیٹھ جانا چاہئے اور خود سے منصب طلب کرنا کہ مجھے یہ منصب دیدیا جائے، فلاں منصب دے دیا جائے، اس میں ایک تو بے برکتی ہے اور

بعض اوقات اس میں معصیت بھی ہو جاتی ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا ایک واقعہ

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں جس زمانے میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھا، اس زمانے میں منطق کی ایک دقیق کتاب "رسالہ میر زاہد" ایک استاد کے سپرد ہوئی، وہ استاد سیدھے سادے تھے اور طلباء کی جماعت شریر قسم کی تھی، بعض شریر قسم کے طالب علم ہوتے ہیں جو استاد کو پریشان کرنے کی فکر میں رہتے ہیں، خاص کر اگر استاد بھی سیدھا سادہ مل جائے تو اور زیادہ ان کے دماغ چڑھ جاتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ ان طلباء نے استاد کو چکر دیدیا اور پریشان کر دیا، ان استاذ نے درخواست دی کہ یہ طلباء میرے قابو میں نہیں آ رہے ہیں، مجھے کوئی اور سبق دیدیا جائے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے، اس قسم کے معاملات انہی کے پاس جایا کرتے تھے، جب ان کے پاس درخواست پہنچی تو انہوں نے اساتذہ کی مجلس بلائی اور اس میں یہ مسئلہ پیش کیا کہ یہ کتاب "رسالہ میر زاہد" کون پڑھائے؟ طلباء کی جماعت بھی بڑی شریر قسم کی ہے اور سوالات بھی بہت کرتے ہیں، لہٰذا ایسا استاد ہونا چاہئے جو ان کو قابو کر سکے۔ چونکہ پہلے استاد نے پڑھانے سے معذرت کر لی تھی، اس لئے اس کا اثر دوسرے استادوں پر بھی پڑا، کوئی لینے کے لئے آگے نہیں بڑھا، آخر کار حضرت شاہ صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ مولوی شفیع! تم یہ کتاب پڑھالوگے؟ میں نے

عرض کیا حضرت! بات یہ ہے کہ آپ اگر مجھ سے میری اہلیت پوچھتے ہیں تو میں تو ''میزان الصرف'' پڑھانے کا بھی اہل نہیں، اور اگر آپ پڑھانے کے لئے دے دیں تو بخاری شریف دے دیں۔ یعنی جب آپ اپنی طرف سے دے دیں گے اور دعا بھی کریں گے تو میں وہ بھی پڑھا دوں گا، کیا عجیب جواب دیا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ بس، تم یہ پڑھاؤ۔

طلب کے بغیر ملنے والی چیز

بہر حال! حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جو بات فرمائی کہ اپنی ذات میں دیکھو تو میں کچھ اہلیت نہیں رکھتا، لیکن جب کوئی کام بڑوں نے سپرد کر دیا تو وہ منجانب اللہ ہے، اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتا ہوں کہ جب وہ کام بڑوں کی طرف سے سپرد ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس میں توفیق بھی عطا فرمائیں گے اور مدد بھی فرمائیں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر وہ کام کرلو۔ اب جو کام وہ کرے گا اس میں نہ تو اپنی اہلیت کا خنّاس دماغ میں ہوگا اور نہ وہ کام ''حُبِّ جاہ'' کے تحت ہوگا، نہ اس میں تکبر ہوگا، نہ عُجب ہوگا اور نہ ریاکاری ہوگی۔

چیز یکہ بے طلب رسد آں دادۂ خداست
آں را تو رد مکن کہ فرستادۂ خداست

یعنی جو چیز بغیر طلب کے مل جائے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، اس کو رد مت کرو، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہے۔ بہر حال! ایسی جاہ جو بغیر طلب کے مل

جائے، وہ نہ مذموم ہے نہ مضر ہے۔

بزرگان دین صاحب جاہ تھے

جتنے اولیاء کرام اور صوفیاء کرام ہیں، علماء دین ہیں اور بزرگان دین گزرے ہیں، یہ سب صاحب جاہ تھے، یعنی مخلوق ان پر مرتی تھی، شہرت بھی حاصل تھی، لوگ عزت کرتے تھے، ہاتھ پاؤں چومتے تھے، گویا کہ ان کو ایسی جاہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی جو بادشاہوں کو بھی حاصل نہیں تھی۔

ہندوستان پر ایک کی حکومت ہے

ایک انگریز نے ہندوستان کے حالات پر ایک کتاب لکھی ہے، اس کتاب میں اس نے لکھا ہے کہ ”ہندوستان پر حاکم کوئی بھی آجائے لیکن اصل حکومت یہاں ایک ہی شخص کرتا ہے، وہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔“ یعنی اصل حکومت جو انسانوں کے دلوں پر ہے، وہ ان کی ہے۔

دلوں پر حکومت کرنے والے

بہرحال! یہ جاہ جو اللہ تعالیٰ نے اولیاء کرام کو، بزرگان دین کو اور علماء دین کو عطا فرمائی ہے، یہ ایسی جاہ ہے جو بڑے بڑے شہنشاہوں کو نصیب نہیں، نہ ان کو ایسی جاہ مل سکتی ہے، اس لئے کہ بادشاہ تو صرف اپنے زمانے میں کروفر کا مظاہرہ کرلے گا لیکن دلوں پر حکومت یہی لوگ کرتے ہیں۔

بنگلہ دیش پر حکومت کرنے والے بزرگ

بنگلہ دیش کے شہر سلہٹ میں ایک بزرگ کا مزار ہے جس کو "درگاہ شریف" کہتے ہیں۔ اب اس محلہ کا نام بھی "درگاہ" ہے اور وہاں کی مسجد کا نام بھی "درگاہ" ہے، ان کا نام حضرت شاہ جلال صاحب مجردیمنی رحمۃ اللہ علیہ تھا، بڑے درجے کے اولیاء اللہ میں سے تھے اور یہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہمعصر تھے، کہا جاتا ہے کہ سلہٹ کو فتح کرنے والے بھی اصل میں یہی بزرگ تھے، یمن کے رہنے والے تھے اور مجرد تھے یعنی شادی نہیں کی تھی، یمن سے ہجرت کر کے جہاد کے لئے آئے اور یہاں پر آ کر جہاد کیا۔ اب یہ حال ہے کہ سارے بنگال کے لوگوں کو جو عقیدت اور محبت اور عظمت حضرت شاہ جلال صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہے، وہ دنیا میں کسی سے ہو ہی نہیں سکتی۔ ایک مرتبہ شب برأت کے موقع پر میں وہاں تھا، ان کے مزار پر حاضر ہونے والوں کا یہ عالم تھا کہ میلوں تک تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔

ایسی جاہ مضر نہیں

بہر حال! یہ اولیاء اللہ دلوں پر حکومت کرتے ہیں، لہٰذا ان سے بڑی جاہ دنیا میں کسی اور کو حاصل ہی نہیں ہو سکتی، لیکن وہ جاہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بغیر طلب کے ملتی ہے، اس لئے نہ صرف یہ کہ وہ مضر نہیں بلکہ وہ جاہ مدد اور معاون بن جاتی ہے، اس کے ذریعہ دین کا کلمہ آگے پھیلتا ہے، اس کے

ذریعہ لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے، اس کے ذریعہ فیض پھیلتا ہے، لہٰذا اپنی طرف سے شہرت کی طلب نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے اس فکر میں نہ رہے کہ میں مشہور ہو جاؤں۔

شہرت سے اپنے کو بچاؤ

بلکہ ہر شخص شہرت سے بچے اور حتی الامکان اپنے آپ کو شہرت سے بچانے کی کوشش کرے۔ اسی وجہ سے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس پہنے گا تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو ذلت کا لباس پہنائیں گے، شہرت کا لباس پہننے کا مطلب یہ ہے کہ کوشش کر کے اپنے لئے شہرت حاصل کر رہا ہے۔

شہرت انسان کو پریشان کر دیتی ہے

اگر آدمی غور کرے تو اس کو پتہ چلے کہ یہ شہرت کوئی طلب کرنے کی چیز نہیں بلکہ یہ تو آدمی کو پریشان کر دیتی ہے، کیونکہ جب آدمی کی شہرت ہو جاتی ہے تو ہر وقت اس کا دماغ کسی نہ کسی دھندے میں مشغول رہتا ہے، وہ آرام اور چین سے گھر میں نہیں بیٹھ سکتا، کوئی شخص اس کے پاس کسی کام کے لئے آ رہا ہے، کوئی کسی مقصد کے لئے آ رہا ہے، کوئی کسی مقصد کے لئے آ رہا ہے، ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے، وہ اپنا کام نہیں کر سکتا، اور جو شخص مشہور نہیں ہے، اس کے پاس کوئی نہیں آتا، وہ بالکل آزاد ہے، جو چاہے کرے۔

شہرت طلب کرنا

میرے ایک دوست نے مجھے خط لکھا کہ ”میرا دل چاہتا ہے کہ میرا بھی کوئی حلقہ اثر ہو اور کچھ معتقدین ہوں۔“ میں نے ان کو لکھا کہ تمہارے دل میں کیا بلا مول لینے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے، یہ تو ایک بلا ہے، اس لئے کہ جب تمہارا حلقہ اثر ہوگا تو پھر تمہیں نہ دن میں چین ملے گا اور نہ رات میں، یہ کوئی طلب کرنے کی چیز نہیں، ہاں! اگر اللہ تعالیٰ ویسے ہی بغیر طلب کے عطا فرما دیں تو اس کو حق سمجھ کر اس کے تقاضے پورے کرو، باقی اس کو خود سے مانگنا ایسا ہے جیسے یہ خواہش کرنا کہ ”آ بیل مجھے مار، مطلب یہ ہے کہ یہ تو بیل کو دعوت دینا ہے کہ تو آ کر مجھے سینگ مار، یہ شہرت طلب کرنا اور لوگوں کے اندر نام ہونے کو طلب کرنے کی حقیقت تو یہ ہے۔

مجھ سے سبق سیکھو

مجھ سے پوچھو کہ نہ صبح چین نہ شام چین اور نہ رات میں چین، حالانکہ حلقہ احباب زیادہ نہیں ہے، لیکن جتنے تھوڑے بہت لوگ جانتے ہیں، ہر وقت کوئی نہ کوئی مسئلہ لے کر آتے رہتے ہیں۔ ایک طرف تو لوگوں کے آنے سے ہر وقت مشغولی تو رہتی ہے، مزید یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنا ذاتی اور نجی مسئلہ لے کر آتا ہے اور آ کر اپنی پریشانی کا اظہار کرتا ہے کہ وہ کس کس مصیبت میں گرفتار ہے، ان کی باتیں سن کر طبیعت پر بڑا اثر ہوتا ہے کہ یہ بے چارہ اس

مصیبت میں ہے، یہ فلاں پریشانی میں مبتلا ہے، جس کے نتیجے میں ہر وقت دل پر کوئی نہ کوئی چوٹ لگتی رہتی ہے جس سے آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔

گوشہ نشین آرام میں ہے

اور جو آدمی گوشہ نشین ہے، نہ اس کو کوئی جانتا ہے اور نہ اس کے پاس کوئی آتا ہے، بس تنہائی میں اپنے اللہ سے لو لگائے بیٹھا ہے، اسی میں مست ہے، اس زندگی کا کیا کہنا، لہٰذا یہ شہرت کوئی طلب کرنے کی چیز نہیں۔

خدمت کا حق ادا کرو

ہاں! اگر اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے عطا فرمادیں تو پھر اس کا حق ادا کرو، پھر اس پر اتراؤ نہیں کہ میں اتنا مشہور ہو گیا ہوں اور میری طرف اتنے آدمیوں کا رجوع ہے بلکہ اس کا حق ادا کرو اور یہ سوچو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اتنے لوگوں کی خدمت عطا فرمادی، اتنے لوگوں کا خادم بنا دیا، لہٰذا اس خدمت کا حق ادا کرو۔

دنیا کے عہدوں کا حال

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی پیاری بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ دنیا کے جتنے مناصب ہیں، ان سب کا یہ حال ہے کہ اوّل تو ان کو حاصل کرنا اپنے اختیار میں نہیں، اور اگر بالفرض کوئی منصب مل جائے تو سینکڑوں لوگ اس پر حسد کرنے والے پیدا ہو جائیں گے اور تمہیں

اس منصب سے ہٹانے کی فکر کریں گے۔

مثلاً تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ میں ''وزیر اعظم'' بن جاؤں، اب ''وزیر اعظم'' بننا تمہارے اختیار میں نہیں، بلکہ دوسری ملازمتوں میں تو یہ ہوتا ہے کہ تقرر کرنے والی اتھارٹی اور شخصیت ایک ہوتی ہے، اب اگر اس کی خوشامد کرلو گے یا اس کو رشوت دے کر خوش کرلو گے تو وہ تمہیں اس منصب پر فائز کردے گی، لیکن ''وزیر اعظم'' کا منصب ایسا ہے کہ اس کا تقرر کرنے والا ایک شخص نہیں ہے بلکہ کروڑوں ہیں، اب ان کروڑوں کی خوشامد کرو تاکہ وہ تمہیں ووٹ دیں اور ہر ایک کو راضی کرنے کی فکر کرو، اب کہاں تک تم ان کو راضی کرتے پھرو گے، اس لئے کہ ان کو راضی کرنا اپنے اختیار میں نہیں، اور اگر بالفرض تم مشقت اور تکلیف برداشت کر کے کسی طرح ''وزیر اعظم'' بن بھی گئے تو اب ہزاروں آدمی تمہاری ٹانگ کھینچنے کی فکر میں رہیں گے کہ کسی طرح یہ اس منصب سے اتر جائے، یہ کیوں وزیر اعظم بن گیا، مجھے وزیر اعظم بننا چاہئے تھا، لہٰذا حسد کرنے والے بے شمار لوگ ہوں گے اور اتارنے والے بے شمار ہوں گے۔

خود وزیر اعظم کو اس بات کا ڈر لگا رہتا ہے کہ پتہ نہیں کب اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پاس ہو جائے گی اور مجھے وزیر اعظم کے منصب سے نکال باہر کریں گے، اس لئے وزیر اعظم کو ہر وقت اسمبلی کے ممبران کو بھی خوش رکھنے کی فکر رہتی ہے کہ یہ بھی راضی رہیں، لہٰذا جب تک تم وزیر اعظم ہو، حسد کرنے والے حسد کریں گے، دنیا کے جتنے مناصب ہیں، ان سب کا یہ حال ہے۔

خادمیت کا منصب اختیار کرلو

پھر فرماتے کہ میں تمہیں ایسا منصب بتاتا ہوں جس کو حاصل کرنا تمہارے اختیار میں ہے اور جب وہ منصب حاصل ہو جائے تو کوئی شخص تم سے حسد نہیں کرے گا اور کوئی شخص تمہیں اس منصب سے اتارنے کی کوشش بھی نہیں کرے گا، وہ منصب ہے ''خادمیت'' کا لہٰذا تم خادم بن جاؤ۔ ''خادمیت'' کا منصب اپنے اختیار میں ہے، اگر میں خادم بننا چاہتا ہوں تو لوگوں کی خدمت شروع کر دوں، کون میرا ہاتھ روکے گا؟ کوئی نہیں، اس منصب پر مجھ سے کوئی حسد نہیں کرے گا کہ یہ کیوں خادم بن گیا؟ اور اس منصب سے معزول ہونے کا بھی اندیشہ نہیں، جب تک چاہو، اس منصب پر برقرار رہو، تمہارے مرضی ہے، لہٰذا یہ تمہاری اپنی مرضی کا منصب ہے۔

دوسرے منصب میں خدمت کا جذبہ

لہٰذا جب تمہیں دنیا کا بھی کوئی منصب حاصل ہو، اس کو بھی یہی سمجھو کہ یہ میری خادمیت کا ایک شعبہ ہے، جب تک یہ منصب میرے پاس رہے گا، اس کے واسطے سے خدمت کرتا رہوں گا اور جب یہ منصب مجھ سے چھن جائے گا تو دوسرے طریقوں سے خدمت شروع کر دوں گا، اس طرح یہ منصب کبھی بھی تمہارے ہاتھ سے نہیں جائے گا۔ لہٰذا جب کوئی منصب مل جائے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر کے صحیح مصرف میں اس کو خرچ کرنے کوشش کرو اور صحیح مصرف میں اس کو استعمال کرو اور اپنے آپ کو خادم سمجھتے رہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم جب کوئی اچھا کام کریں گے تو لوگ اس پر ضرور تعریف کریں گے اور اس تعریف سے خوشی بھی ہوگی، اس لئے کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب کوئی دوسرا اس کی تعریف کرتا ہے تو اس پر خوشی ہوتی ہے، اسی کا نام "حُبِّ جاہ" ہے، لہٰذا کوئی بھی اچھا کام کریں گے تو اس کے نتیجے میں "حُبِّ جاہ" پیدا ہوگی۔

اس کا حل یہ ہے کہ اس کام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرلو کہ یا اللہ! میں یہ کام کر رہا ہوں اور اس کام پر لوگ میری تعریف کریں گے اور اس تعریف پر میرا دل بھی خوش ہوگا، لیکن حقیقت میں تو یہ تعریف میری نہیں ہوگی بلکہ آپ کی تعریف ہوگی، کیونکہ جو کچھ بھی میں کام کروں گا، وہ میرے بس میں نہیں بلکہ آپ کی دی ہوئی توفیق سے ہوگا، اور جب آپ کی توفیق سے وہ کام ہوگا تو تعریف کے لائق اور سزاوار بھی آپ ہی ہیں، میں نہیں ہوں، لہٰذا جو شخص بھی میری تعریف کرے گا، حقیقت میں وہ آپ کی تعریف ہوگی، اس لئے یا اللہ! اس تعریف کو میرے لئے فتنہ نہ بنایئے۔

ایک بزرگ کا اپنی تعریف سن کر ہنسنا

میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ سنا کہ ایک بزرگ تھے، ان کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی شخص ان کی تعریف کرتا یا کوئی تعریفی جملہ کہتا، مثلاً کوئی شخص کہتا کہ حضرت! آپ بڑے عالم ہیں تو اس تعریف پر بہت

خوشی کا اظہار کرتے اور بہت خوش ہوتے اور اس کو شاباش دیتے کہ تم نے صحیح بات کہی، یا مثلاً کسی نے ان کے تقویٰ کی تعریف کر دی یا ان کی سخاوت کی تعریف کر دی تو اس پر بہت خوش ہوتے۔

کسی نے ان بزرگ سے کہا کہ حضرت! اگر کسی کی تعریف کی جائے تو وہ ذرا شرماتا ہے لیکن آپ کا معاملہ عجیب ہے کہ جب آپ کی تعریف کی جاتی ہے تو آپ بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور اس پر اس کو شاباش دیتے ہیں اور اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو تعریف کرانے کا شوق ہے، یہ تو تعریف پسندی ہوئی جو ٹھیک نہیں ہے۔

یہ میرے اللہ کی تعریف ہوتی ہے

جواب میں ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ تعریف کرنے والے بیوقوف جو تعریف کرتے ہیں، یہ حقیقت میں میری تعریف نہیں ہوتی، وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہوتی ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی تعریف پر خوش ہوتا ہوں کہ یہ شخص میرے اللہ کی تعریف کر رہا ہے، اور اس پر میں اس کو شاباش دیتا ہوں، کیونکہ میں تو کچھ نہیں، میرا وجود ہی کیا ہے، میری صلاحیت ہی کیا ہے؟ میرے اندر تو کوئی وصف قابل تعریف نہیں ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص ایک دیوار کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ دیوار بڑی شاندار ہے، تو یہ تعریف دیوار بنانے والے کی ہوئی، معمار کی ہوئی، اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کتاب کی تعریف کر رہا ہے کہ یہ کتاب بہت اچھی ہے، وہ حقیقت میں کتاب کی تعریف نہیں ہے بلکہ اس کتاب کے لکھنے والے کی تعریف ہے یا اس کے چھاپنے والے کی تعریف ہے۔ اسی طرح

جو کچھ میری تعریف ہو رہی ہے، وہ حقیقت میں میری تعریف نہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے، اس لئے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف پر خوش ہوتا ہوں۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں

قرآن کریم اسی آیت سے شروع ہو رہا ہے کہ "الحمد للہ رب العالمین" یعنی ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات میں تم جس چیز کی بھی تعریف کرو گے، حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف ہوگی، لہٰذا جب بھی کوئی شخص تمہاری تعریف کرے تو یہ سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ صفت مجھے عطا فرمائی ہے، لہٰذا حقیقت میں یہ تعریف میری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے، یہ سوچنے سے "حبِّ جاہ" کی بیماری کا علاج ہوتا ہے۔

دوسروں کی تعریف پر یہ شکر کرو

دوسری بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص تمہاری تعریف کرے تو دل میں یہ شکر ادا کرو کہ اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اس شخص پر میری اچھائی ظاہر فرما دی جس کے نتیجے میں یہ شخص میری تعریف کر رہا ہے، اگر آپ اس شخص پر میرے عیب منکشف فرما دیتے تو یہ شخص مجھ سے نفرت کرتا، اے اللہ! آپ کا کرم ہے کہ آپ نے میرے عیب کی پردہ پوشی فرمائی اور اس کے سامنے اچھائی ظاہر کر دی۔

جاہ سے اصل مقصود دفع مضرت ہے

ایک صاحب نے حضرت والا کو خط میں لکھا کہ:

کمترین کا مذاق یہی ہے کہ گمنام رہوں اور حدیث میں جو دعا آئی ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْراً وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْراً اس میں لوگوں کی نظر میں بڑا معلوم ہونے کی دعا کا امر ہے جس سے اندیشہ ترقی لذت جاہ کا ہے جو خلاف مذاق ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک صاحب نے لکھا کہ میری طبیعت تو یہ چاہتی ہے کہ گمنام رہوں، کوئی شہرت نہ ہو، لوگ مجھے نہ پہچانیں، کیونکہ شہرت میں حب جاہ کا اندیشہ ہو جاتا ہے، لیکن ان صاحب کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوا جو بہت معقول شبہ ہے اور ہر انسان کے دل میں پیدا ہوسکتا ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعائیں فرمائی ہیں۔ ان میں ایک دعا یہ بھی ہے کہ:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْراً وَفِیْ اَعْیُنِ
النَّاسِ کَبِیْراً۔

اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں تو چھوٹا بنادے اور دوسروں
کی نگاہ میں مجھے بڑا بنادے۔

جہاں تک اپنی نگاہ میں چھوٹا بننے کا تعلق ہے وہ بات تو سمجھ میں آتی ہے، اس لئے کہ یہ تواضع ہے جس کی دعا کی گئی ہے، لیکن یہ دعا کرنا کہ میں دوسرے

لوگوں کی نگاہ میں بڑا ہو جاؤں، یہ تو حبِّ جاہ ہے۔ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس دعا میں تو جاہ کی طلب ہوگئی کہ اے اللہ! مجھے ایسا بنا دے کہ لوگ مجھے بڑا سمجھیں اور لوگوں کے بڑا سمجھنے کی طلب اور خواہش کا نام ہی ''حبِّ جاہ'' ہے، لہٰذا اس دعا کا کیا مطلب ہے؟

جاہ کا جائز درجہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جاہ کے دو درجے ہیں، ایک جائز اور مطلوب ہے اور دوسرا ناجائز، جاہ کا جو جائز درجہ ہے، اس کی طلب بھی جائز ہے۔ جاہ کا جائز درجہ یہ ہے کہ انسان کی اتنی وقعت لوگوں کے دلوں میں ہو جس کی وجہ سے وہ لوگوں کی ایذا رسانی سے بچ سکے، کیونکہ اگر انسان لوگوں کی نظر میں بالکل بے وقعت ہو جائے تو لوگ اس کو تکلیف پہنچائیں گے، مثلاً کوئی اس کا مذاق اڑائے گا، کوئی اس کو تھپڑ مار کر بھاگ جائے گا، کوئی اس کو گالی دے گا، کوئی اس کو بُرا بھلا کہہ دے گا، اس کے برخلاف اگر انسان کی تھوڑی بہت وقعت ہو تو اس کے نتیجے میں وہ لوگوں کی ایذا رسانی سے بچ سکتا ہے، لہٰذا اس نقطۂ نظر سے جاہ کا طلب کرنا کہ میں لوگوں کی ایذا رسانی سے محفوظ ہو جاؤں اور کوئی میرے اوپر بری نگاہ نہ ڈالے اور میرے خلاف کوئی بدخواہی نہ کرے، اس نقطۂ نظر سے اگر کوئی شخص جاہ طلب کرے تو جائز ہے۔

ایک لطیفہ

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑا اچھا لطیفہ سنایا

کرتے تھے کہ ایک مولانا صاحب تھے، وہ اپنے علاقے میں معروف و مشہور تھے، لوگ ان کی عزت کرتے تھے، ایک مرتبہ وہ کسی دیہات میں چلے گئے اور رات کو گاؤں کے نواب کی حویلی میں قیام کیا، اس حویلی میں رات کے وقت چوکیدار گھومتے رہتے تھے، رات کو کسی وقت قضاء حاجت کے لئے کمرے سے باہر نکلے، بیت الخلاء ذرا فاصلے پر تھا، وہاں جانے لگے، جب بیت الخلاء کے قریب پہنچے تو چوکیدار نے ان کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ کوئی چور آ گیا، چنانچہ وہ فوراً ڈنڈا لے کر وہاں پہنچ گیا اور آواز دی کہ کون ہے؟ انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ہم ہیں بڑے مولانا صاحب، یہ جواب سن کر چوکیدار رک گیا، بعد میں مولانا صاحب نے بتایا کہ اگر میں اس وقت تواضع سے کام لیتا تو یہ ڈنڈا اسی وقت میرے سر پر پڑ جاتا، بڑے مولانا صاحب کہہ کر اپنی جان بچائی۔

اب اس موقع پر جاہ کا اظہار اپنے آپ کو دوسروں کی اذیت سے بچانے کے لئے تھا، اس لئے یہ جاہ کا اظہار جائز تھا، کیونکہ اگر اس موقع پر مولانا صاحب تواضع کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہہ دیتے کہ میں تو حقیر پر تقصیر ہوں تو بس وہ ڈنڈا ان کے سر پر پڑ چکا ہوتا۔

لوگوں کی اذیت سے بچنے کیلئے جاہ کا حصول

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں تو چھوٹا بنائیے لیکن لوگوں کی نگاہ میں مجھے بڑا بنائیے۔ اس سے مقصود لوگوں کی اذیت سے اور لوگوں کے تکلیف سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا

ہے اور اس مقصد کے لئے جاہ کا حصول بُری بات نہیں۔ چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں۔

جاہ خود مقصود نہیں بلکہ ذریعہ ہے دفع مفسدہ کا اور وہ مفسدہ اذیت خلق ہے، اس کا دافع جاہ ہے کہ وہ مانع ہوتا ہے ظالموں کی دست درازی سے الخ۔

(انفاس عیسی، ص ۱۸۳)

بہرحال! لوگوں کی اذیت سے بچنے کے لئے جاہ کا حصول بُری بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ